خیالات شہباز

یعنی

مولوی سید محمد عبد الغفور صاحب شہباز مرحوم مصنفِ رباعیاتِ شہباز
و حیات بے نظیر یعنی سوانح عمری نظیر اکبر آبادی وغیرہ وغیرہ کی

ان
چند نظموں کا مجموعہ جس کو سید عبد المجید صاحب نے اپنے
اہتمام سے

نظامی پریس بدایوں میں چھپوایا

سنہ ۱۹۱۶ء

نظام الدین حسین پرنٹر

(بدر رقم سہارنپوری)

المشتہر سید اختر حسن نمبر ۶۲ تالتلا لین کلکتہ
قیمت فی جلد علاوہ محصول ڈاک ۱۲ر

اطلاع

یہ کتاب (خیالاتِ شہباز) میرے والد ماجد مرحوم مولوی سید محمد عبد الغفور شہباز کی تصنیف سے ہے اس کا حق تصنیف مجھے وراثتہً پہنچا ہے اور میں نے بصرفِ کثیر اپنے اہتمام سے مطبع نظامی بدایوں میں اسے چھپوایا ہے۔ اس کے کل حقوق حسب ایکٹ ۳ سنہ ۱۹۱۴ء (سوپریم کونسل) محفوظ ہیں۔ کوئی صاحب بغیر میری تحریری اجازت کے اس کتاب کے کُل یا جزو کے چھاپنے یا چھپوانے کا قصد نہ فرمائیں ورنہ حسب منشاے دفعات ۶ و ۷ ایکٹ مذکورۂ بالا دیوانی اور فوجداری مواخذہ میں گرفتار ہوں گے۔

وما علینا الا البلاغ

راقمہ
بشریٰ بیگم





هوالغفور

مولوی سید محمد عبدالغفور شہباز ہندوستان کے اُن مشاہیر شعرا ونثار میں سے تھے جن کے سر قبولیت عامہ کا سہرا بندھ چکا ہی۔ اُن کا مولد اگرچہ سہرا میں ہی۔ لیکن مرحوم نے بد و شعور سے باڑھ ضلع پٹنے کو جہاں اُن کی ننھیال تھی اپنا توطن کر لیا تھا۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام سید طالب علی تھا۔ صوبہ بہار میں سادات نجیب الطرفین ہونے کے سبب سے ان کا خاندان ہمیشہ معزز و موقر رہا ہی۔ ابتدا میں مرفہ الحالی بھی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ اس حالت میں انحطاط پیدا ہونا شروع ہوگیا۔ یہاں تک کہ مرحوم اور اُن کے دیگر اراکین خاندان کو مجبوراً ملازمت کی طرف توجہ مبذول کرنی پڑی۔

مرحوم شہباز نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی تھی مگر وہ تعلیم سے زیادہ تربیت کے سبق دیتے تھے۔ یہی وجہ ہی کہ آخر عمر تک وہ خوش چلن رہے۔ مرحوم انگریزی پڑھنے کے لیے جب اسکول میں داخل ہوے تو خان بہادر مولوی سید عبدالعزیز سب جج (اپنے نسبتی بھائی) کے پاس رہنے لگے۔ سب جج صاحب ایک نیک نام اور قابل عہدہ داروں میں تھے۔ علم و فضل کے ساتھ خوش مذاقی

اور حُسنِ اخلاق میں بہت مشہور تھے - مرحوم شہباز کی یہ خوش نصیبی نہیں تو کیا تھی
کہ لڑکپن ہی سے اُن کو ایک ایسے قابل اور بزرگ کے زیرِ عاطفت تعلیم اور نشوو نما
کا موقع مل گیا جس کی چھوٹے چھوٹے بچّوں کو اشد ضرورت ہوتی ہے - یہاں
شہباز نے فارسی اور عربی کو دل لگا کر پڑھا اور انگریزی میں انٹرنس کے درجے تک
پہنچ کر کچھ عرصے تک تلاشِ معاش میں مشغول رہے - مگر جب کوئی معقول صورت نہ نکلی
تو سب جج صاحب نے اُن کو اپنے پاس تعلیم کے لیے نہیں بلکہ امیدواری ملازمت
کے لیے پھر بُلا لیا - اس زمانے میں اُردوے معلّی کے فدائی مولوی سید محمد صاحب
مظفرپور (صوبہ بہار) میں رجسٹرار تھے (جو بعد حصول خطابِ نوابی عہدۂ جلیلۂ انسپکٹر جنرل
رجسٹریشن صوبہ بنگال و بہار سے پنشن یاب ہوے) سیّد محمد عبد الغفور اگرچہ اس زمانے
میں کم سن تھے لیکن وہ ایسی پیاری اُردو لکھتے تھے کہ لوگ عش عش کرتے تھے - شدہ شدہ
اُردو لٹریچر میں اُنھوں نے اتنی ترقی کی کہ صوبۂ بہار اب تک مرحوم کی نظیر پیدا نہیں کرسکا -
اسی اُردو کی چاٹ نے مولوی سید محمد صاحب اور شہباز کے درمیان رُسل و رسائل کی بنیاد
ڈالی - شہباز کے دل میں شوقِ ملاقات اور حصولِ نیاز کا ذوق پیدا ہوا تو مولوی سید محمد
صاحب نے اُن کو اپنے پاس بُلا لیا - اس زمانے میں نواب سیّد محمود آزاد مولوی سید محمد
صاحب کے بھائی بھی مظفرپور میں موجود تھے - یہ دونوں علم دوست بھائی کم سن شہباز کی
ذہانت لیاقت اور بلند پروازیوں سے اس قدر خوش ہوے کہ دل سے بہی خواہ اور
سرپرست بن گئے - اسی زمانے میں کلکتے سے "دار السلطنت" ایک اُردو اخبار جاری
ہونے والا تھا - مالکانِ اخبار نے نواب بہادر عبد اللطیف خاں (سی - آئی - ای) مرحوم
اور نواب سید محمد صاحب سے درخواست کی کہ وہ اخبار کے لیے کوئی لایق اڈیٹر

تجویز فرمادیں - چناں چہ ان دونوں صاحبوں نے مرحوم شہباز کو انتخاب کیا۔ شہباز مرحوم نے "دارالسلطنۃ" کی پہلی زندگی میں جس لیاقت اور قابلیت کے ساتھ روح پھونکی دوسرے جنم میں ویسی روح اُس کو نصیب نہ ہوئی - چند سال کے بعد جب اخبار بوجوہ بند کر دیا گیا تو شہباز اپنے وطن واپس چلے آئے -

کچھ عرصے کے بعد نواب عبداللطیف خاں مرحوم نے "مذاکرہ علمیہ کلکتہ" ایک مجلس کے سلسلے میں مرحوم شہباز کو کلکتے پھر بلا لیا - جہاں اُنھوں نے نہایت عمدہ طرح سے کام کیا - اسی زمانے میں کلکتے کی مشہور نمائش (۸۴-۱۸۸۳ء) کا بڑے پیمانے اور زور شور کے ساتھ افتتاح ہوا - مرحوم شہباز نے بمشورہ خان بہادر نواب زادہ ابوالخیر محمد عبدالسبحان ڈپٹی مجسٹریٹ و دیگر احباب "جریدۂ نمائش" کے نام سے ایک اخبار جاری کیا - یہ اگرچہ قد و قامت میں ایک چھوٹا سا پرچہ تھا لیکن زمانۂ قیام نمائش میں یہ صغیرالسن پرچہ اس قدر پھلا پھولا کہ لوگ آج تک اُس کو یاد کرتے ہیں - ۱۸۸۵ء میں جب نواب عبداللطیف خاں مرحوم وزیر بھوپال ہوئے تو مرحوم شہباز کو بطور پرسنل اسسٹنٹ اپنے ساتھ لیتے گئے - وہاں اُنھوں نے نہایت دیانت - قابلیت اور لیاقت کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دیا - بھوپال کی واپسی کے بعد مرحوم شہباز نواب سید محمد صاحب کے ساتھ پٹنے میں رہنے لگے - نواب صاحب ان دنوں یہاں ڈپٹی کلکٹر تھے - یہی وہ زمانہ ہے کہ مرحوم شہباز کو اپنی انگریزی تعلیم کی تکمیل کا خیال از سر نو بڑے جوش کے ساتھ پیدا ہوا - اور بہار نیشنل اسکول کے انٹرنس کلاس میں داخل ہو کر نہایت استقلال اور محنت کے ساتھ تعلیم شروع کر دی - بالآخر اس محنت کا یہ نتیجہ ملا کہ اول درجے میں انٹرنس

پاس کرکے وظیفہ حاصل کیا۔ بعد ازاں بہار نیشنل کالج سے دو برس
کے بعد الیف اے پاس کرکے بی۔ اے میں پڑھنے لگے۔ لیکن بی۔ اے
کے عین امتحان کے وقت بدقسمتی سے امراضِ صدر میں وہ ایسے
مبتلا ہوئے کہ شریک امتحان نہ ہو سکے۔ ڈاکٹروں نے امراضِ صدر
دیکھ کر یہ رائے دی کہ آئندہ تعلیم روک دی جائے۔ جب وہ تعلیم
کی طرف سے مایوس ہوگئے تو اب ان کو پھر تلاش روزگار کی فکر
ہوئی۔ اس وقت یہ صاحب اولاد ہو چکے تھے۔ آخرکار ریاست حیدرآباد
کے ہوم ڈپارٹمنٹ میں مولوی عزیز مرزا مرحوم کی ماتحتی میں مترجمی وغیرہ کے
کام پر مامور ہوگئے۔ کچھ عرصے وہاں کام کرکے اورنگ آباد دکن کالج میں
پروفیسری پر بھیج دیے گئے جہاں مرحوم کو تصنیف و تالیف کا اچھا
موقع مل گیا تھا۔ پروفیسری کے بعد ریاست بھوپال کے سررشتۂ تعلیم
کے ڈائرکٹر مقرر ہوگئے۔ وہاں اُن کی دلّی والی دوسری بیوی کا انتقال
ہوگیا۔ وہ منجملہ اور وجوہ کے اس صدمۂ جانکاہ سے بیمار ہوگئے اور ریاست
کی نوکری سے مستعفی ہوکر دلّی اپنی سُسرال چلے گئے۔ نواب سید محمد
صاحب نے اُن کی بیماری اور بے کاری کا حال سُن کر اپنے پاس کلکتے بُلا لیا۔
نواب صاحب ممدوح اس زمانے میں انسپکٹر جنرل رجسٹرار بنگال و بہار
تھے۔ باوجود باقاعدہ تیمارداری اور علاج معالجے کے مرحوم شہباز جاں بر
نہ ہو سکے۔ یکایک اُن پر فالج گرا۔ اور ۳۰۔ نومبر ۱۹۰۸ء کو مرحوم نے ملکِ
فانی سے ملکِ جاودانی کو کوچ کیا اور کلکتے کے سرکاری قبرستان میں [illegible]

ہمیشہ کے لیے سپردِ خاک کر دیے گئے۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

مرحوم شہباز کو فارسی فنِ ادب کا مذاق زیادہ تر مولوی سیّد محمود آزاد مرحوم کی صحبت اور اُن کی نایاب اور قیمتی پرائیویٹ لائبریری سے حاصل ہوا تھا۔ مرحوم آزاد کو فارسی زبان کے ساتھ ایک خاص قسم کا شغف تھا وہ اپنے زمانے کے بنگالے میں ایک مشہور فارسی شاعر تھے۔ کبھی کبھی اُردو میں بھی شاعری کرتے تھے اُن کا ایک فارسی دیوان ہے جس کا دیباچہ اُنھوں نے مرحوم شہباز سے لکھوایا تھا۔ فارسی کی یہ پہلی علمی نثر تھی جو شہباز کے قلم سے نکلی تھی۔ دیباچے کے بعد اُنھوں نے دریا پر ایک نظم لکھی جو بہت پسند کی گئی۔

مولوی جمال الدین افغانی ایک مشہور عالم اور محقق تھے۔ جن کی اسپیچیں اور مضامین مشہور ہیں۔ شہباز نے اُن سے بہت کچھ استفادہ کیا تھا۔ عربی فنِ ادب کی بعض کتابیں باقاعدہ ان سے پڑھی تھیں۔ مولانا جمال الدین کی اسپیچیں اور مضامین "مقالاتِ جمالیہ" کے نام سے مرحوم شہباز نے چھپوا دیئے ہیں۔ اس مجموعے کے بعد مرحوم شہباز نے خود اپنی اُن رباعیوں کو طبع کرایا جو طرزِ جدید کی نتیجہ خیز اور فوائد بیز رباعیاں تھیں۔ اس مجموعے کو نواب بہادر سر احسن اللہ مرحوم نواب ڈھاکہ نے قدر افزائی فرما کر اپنی جیب خاص سے چھپوا دیا تھا۔ رباعیوں کے بعد اکبر آباد (آگرہ) کے مشہور شاعر میاں نظیر کی سوانح عمری چند سال کی مسلسل کوشش اور محنت سے ترتیب دی یہ کتاب اول سے آخر تک مغربی مصنفوں کی طرز پہ

تالیف ہوئی ہی۔ اس کے پڑھنے سے مرحوم مصنف کی اعلیٰ انشاپردازی اور بلند پروازی کا کامل ثبوت ملتا ہی۔ میرے خیال میں اُردو لٹریچر اس کی مثال پیش نہیں کرسکتا۔

مرحوم شہباز کے مضامین نثر و نظم اگرچہ ہندوستان کے مختلف اخباروں اور رسالوں میں نکلا کرتے تھے۔ مگر خصوصیت کے ساتھ وہ اودھ پنچ لکھنؤ کے ممتاز نامہ نگاروں میں تھے۔ اُن کی نامہ نگاری کے زمانے کا اودھ پنچ اُٹھا کر دیکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ دُھواں دھار مضامین اور چلبلی نظمیں کیسا اپنا زور دکھا رہی ہیں۔ پنڈت کشن پرشاد صاحب کول ہندوستانی اخبار لکھنؤ کے اڈیٹر منشی سید سجاد حسین مرحوم اڈیٹر اودھ پنچ اور نامہ نگاران اخبار مذکور کی سوانح عمریاں اور اُن کی اُردو کے نمونے گلدستۂ پنچ کی پہلی جلد میں شائع کر چکے ہیں۔ پنڈت صاحب موصوف کی قدردانی سے امید کی جاتی ہی کہ مرحوم شہباز کی مختصر تالیف اور اُن کے مضامین بھی گلدستۂ پنچ کی دوسری جلد میں درج فرمائیں گے۔ کیوں کہ بغیر مضامین شہباز گلدستے میں شادابی نہیں پیدا ہوسکتی۔

مرحوم شہباز کے ان مختصر حالات کے بعد ضرورت ہی کہ خیالات شہباز کے متعلق بھی چند سطریں لکھی جائیں۔ خیالات شہباز مرحوم کی اُن چند نظموں کا ایک مختصر سا مجموعہ ہی جو اپنے خیالات اور طرزِ ادا میں بے نظیر ہی اور جو اُن کی ہزارہا نظموں میں سے بطور مشتے نمونہ

از حزوارے پبلک میں پیش کیا جاتا ہے۔ مرحوم شہباز نے اگر قدر دانوں میں جنم لیا ہوتا تو آج کسی اکیڈمی میں اُن کا مجسمہ یا کسی کالج کے سنٹرل ہال میں اُن کے نام کا کتبہ یا کسی لائبریری میں متعدد شہباز شلف رکھے ہوتے مگر وہ ایک ایسی مُردہ قوم میں پیدا ہوئے تھے جو کسی کی تازہ یادگار تو کیا قائم کرے گی اپنے برگزیدہ اسلاف کی بنی بنائی یادگاریں مٹانے میں ذرا بھی دریغ نہیں کرتی ہے۔

نام نیک رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نام نیکت برقرار

شہباز مرحوم کی منجھلی صاحب زادی بشریٰ بیگم صاحبہ کو خدا جزائے خیر دے کہ جنھوں نے نواب سید محمد صاحب کی صلاح اور تائید سے مرحوم کی بہترین یادگار کی پہلی قسط نذرِ ناظرین فرمائی۔ دعا ہے کہ یہ سلسلہ اُس وقت تک برابر جاری رہے جب تک کہ مرحوم کی کل تصنیف شائع نہ ہو جائے۔

مرحوم شہباز چوں کہ وہبی شاعر تھے اس لیے اُن کا کل کلام شائع کرنا اردوے معلّیٰ کی ایک قیمتی اور دائمی امداد ہے۔ اُن کے ہر شعر میں ایک لذّت اور اُن کی ہر بیت میں ایک خاص قسم کی لطافت ہے۔ فطرت نے اُن کی گھٹّی میں اس ذوق کو کامل طور پر گھول دیا تھا۔

مرحوم شہباز راقم کے اُن علمی اور مخلص دوستوں میں تھے

جن کی وقعت اور محبت دلوں میں گھر کر لیا کرتی ہے۔ یہ ایک عرصے سے تمنّا تھی کہ مرحوم کی کسی علمی یادگار کی خدمت کا کوئی موقع ملتا۔ الحمدللہ نواب سید محمد صاحب کی بدولت میری یہ آرزو پوری ہوی۔ نواب صاحب ممدوح اُن واجب التعظیم بزرگوں میں ہیں جن کی نسبت ارشاد ہوا ہے ”مودّت اہل صفا چہ در رو چہ در قفا“ غرض یہ مختصر تمہید نواب صاحب موصوف کے حکم کی تعمیل اور راقم کی ایک دیرینہ تمنا کا نتیجہ ہے اور بس۔

راقم

سیّد افتخار عالم

یکم۔ جنوری ۱۹۱۶ء مارہرہ ضلع ایٹہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد[1]

کیوں نہ ہو میرے پالنے والے — اے غذا منہ میں ڈالنے والے
اپنی قدرت کے پاک ظرفوں میں — دودھ خالص اُبالنے والے
کیسی الفت کہ دودھ کی دھوئی — دل میں ماؤں کے ڈالنے والے
خوشنما تربیت کا فوّارہ — باغِ جاں میں اُچھالنے والے
نازپروردہ کرنے والوں کو — گرتے گرتے سنبھالنے والے
سر سے معصوم سونے والوں کے — آفتیں ساری ٹالنے والے
نیند کے ہلکے ہلکے رگڑوں سے — جوہرِ جاں اُجالنے والے
چھینٹے دے دے کے زیوروں سے لدی — اک دُلھن پھر نکالنے والے
پانچ اعضا کو کوششوں کی دکھا — تن کو سانچے میں ڈھالنے والے
منہ کی کھڑکی پہ دُرجِ مرجاں سے — سلکِ گوہر نکالنے والے
موتیوں سے بنا کے اک چکّی — دانوں کو پیس ڈالنے والے
جسم میں ایک دل کے چشمے سے — کتنی نہریں نکالنے والے
شش جہت شش کے کارخانے میں — لعل و یاقوت اُجالنے والے

[1] حمد و توحید اگرچہ کلیاتِ شہباز میں نہ تھی لیکن ایک [illegible] دونوں نظمیں بڑھا دی گئیں ۱۲

انس کیا۔ گردنیں اطاعت کی
جن ملک سب ہیں ڈالنے والے

چاند سورج نہ یوں چمک سکتے
ہوتے گر حکم ٹالنے والے

اپنے شہباز کے تھیں ہو شاہ
دیکھنے والے بھالنے والے

توحید

تو ہی اے رب ہا رب سب کا ہے
تو ہی رب جب اب تب کا ہے

تو ہی ہے سارے جگ کا مالک
تو ہی ہے رگ رگ کا مالک

تو ہی اب ہے تو ہی جب تھا
والی وارث ہے نہ کسی کا

تجھ ہی کو شاہی دونو جگ کی
تو نے ہی دی دولت جس کو دی

گھر تو ہی باہر بھی تو ہے
سچ تو یہ ہے تو ہی تو ہے

جس کو چاہے دے تو دولت
جس کو چاہے دے تو غربت

جل تھل کی آبادی تجھ سے
غم تجھ سے ہے شادی تجھ سے

تجھ ہی سے ہے رونق عالم کی
رونق ہے سب تیرے دم کی

جس نے حق کا کچھ گن گایا
سر پہ اس کے حق کا سایا

قصیدہ نعت

جب کہ پیدا ہوے عرب میں رسول
کھل پڑے باغ میں عرب کے پھول

آب یاری شرع سے سرسبز
ہوے دانش کے کل فروع و اصول

بھر گئی اس قدر اثر سے دعا
منہ سے نکلی ادھر۔ ادھر تھی قبول

رہ زنی چھوڑ کر بنے رہ بر ۔ راہ پہ آگئے ہزاروں غُول
داد گستر ہوئے جفا پرور ۔ علم پرور ہوئے ظلوم و جہول
دین کی روشنی سے مثلِ نجوم ۔ جگمگانے لگے عرب کے غُفول
رونقِ ہنگامۂ بہار ہی گرم ۔ اُٹھ گیا صاف اختلاف فضول
نیک کاروں نے سلطنت پائی ۔ ہر طرف ہی سعادتوں کا حصُول
کہیں جاری خراج کی تحصیل ۔ کسی جا جزیہ ہو رہا ہی وصول
جس کسی مُلک میں تمدّن ہی ۔ مملکت میں عرب کی اُس کا شمول
خیلِ کسریٰ کی انقیاد[۵۱] مراد ۔ قومِ قیصر کو امتثال[۵۲] قبول
نقد و زر کی ہی اس قدر افراط ۔ خرِ مسکیں پہ بھی ہی زرّیں جھول
اُنھیں حاصل ہی اقتصاد[۵۳] کا فضل ۔ کرتے تھے رات دن جو خرچ فضول
بھر رہا ہی اُسی کی ہیبت سے دہر ۔ تھا کسی وقت میں جو کنجِ[۵۴] خمول
پاس ہی صبر کی سپر مضبوط ۔ اب تو ٹلنے کا ہی بلا کا نزول
دو مسلماں میں گر کہیں بگڑی ۔ صُلح نے آن کر بٹھا دی چُول
آئی اب لڑکیوں کی جان میں جان ۔ گئیں پچھلی مصیبتیں سب بھُول
کون کہتا ہی پھول ہیں یہ زرد ۔ اشرفی سے لدے ہوئے ہیں ببول
جتنے اشرار تھے ہوئے ابرار ۔ جتنے مردود تھے ہوئے مقبول
ہر سمندر کے درمیان بلند ۔ ہی عرب کے جہاز کا مستول
کھول دی چشمِ عقل و دانش نے ۔ آگئے ہم کو سب نظر مجہول
نہیں باقی رہا کوئی بے شُغل ۔ اچھّے کاموں میں ہیں سبھی مشغول

[۵۱] اطاعت ۔ [۵۲] فرماں برداری [۵۳] میانہ روی ۱۲ [۵۴] گم نامی ۱۲

دے رہا ہی مکانِ مسجد میں
اک ریاضت کے سلسلے کو طول

کر رہا ہی بڑے سلیقے سے
کوئی منبر پہ نصب دیں کے اصول

کوئی میدانِ حرب و ضرب میں
سیف ہی پھر وہ سیف بھی مسلول[50]

کر رہا ہی کوئی تجارت میں
نقدِ ہمّت دُکاں دُکاں مبذول

مدرسوں کا بھی گرم ہی بازار
کہیں معقول ہی کہیں منقول

کام کوئی نہ کوئی لے بیٹھا
جیسی فطرت پہ جو ہوا مجبول[51]

کہیں تحصیلِ علم ہی منظور
کہیں ایصالِ نفع ہی معمول

کسی چٹکی کو یہ ملی اکسیر
کیمیا ہی ہر ایک چٹکی دُھول

عمل و علم کی بحالی سے
کاہلی آپ ہو گئی معزول

شعرا نے کبھی رمزِ حکمت سے
کیا اپنے کلام کو مقبول

قول کو فعل سے کیا مربوط
صدقِ گفتار کر لیا معمول

ان کے اشعار پڑھ کے چھپ گئے
صدق سے جن کو ہو گیا تھا ذہول[53]

علما ان کو بھی ہوئی رونق
چھڑ گیا قصّۂ نطول و حمول[55]

گئے اپنی زبان میں بتلانے
اپنی تاثیر آپ پھل اور پھول

نبض کے منضبط لگے ہونے
انتفاع - انخفاضِ[56] عرض اور طول

تن درستی کا انتظام ہوا
ہر جگہ حسبِ اختلافِ فصول

اقربا کے شمار میں آ گئے
ہو رہے تھے مریض جو مجہول

بن گئی صاف شمعِ شمّاسی[54]
جب چلی پیشِ عقل بادِ افول[58]

---

[50] کھنچی ہوئی تلوار ۱۲ [51] مجبور۔ [53] فراموش کرنا۔

[54] قسم علاج خارجی ۱۲ [55] بلند شدن حرکتِ رگ ۱۲ [56] بست شدن حرکتِ نبض ۱۲ [58] آفتاب ... ۱۲ [57] ہوا سے غروب ۱۲

افلاطونوں کے چھینٹوں نے — کھول دی غافلوں کی چشمِ عقول
جس بشر کی یہ ساری ہیں برکات — اُس پہ رکھّو درود کا معمول
سلّموا سلّموا علیٰ احمد — ثمّ صلّوا علیٰ مزارِ رسول



زر- یہ صدا بھی رکھتی ہی کیا سحر کا اثر — قائم جہان کا ہی تجھی سے طلسمِ زر
دھومیں مچی ہوی ہیں تری ہی یہ دیس دیس — ڈنکا بجا ہوا ہی ترا ہی نگر نگر
بازار میں گئے تو وہاں بھی ہی تیری یاد — تیرا ہی ذکرِ خیر ہی واں سے جو آئے گھر
ہی کُل معاملات میں تو ہی چھُپا ہوا — سارے معاملات میں تو ہی ہی مستتر
پردیس اپنا دیس ہی اپنا نہیں جو تو — حاضر اگر ہی تو- تو سفر ہی بنا حضر
افلاس تیرے دل سے اُترتا ہی الاماں! — ادبار تیری نظروں سے گرتا ہی الحذر!
صدقے میں تیرے- دل سے مخاطب ہو سیمتن — ایما سے تیرے جان سے عاشق ہو سیم بر
ہر لحظہ تو چکھاتا ہی ہر قسم کے مزے — ہر وقت تو کھلاتا ہی ہر مُلک کے ثمر
چکھتے ہیں سیب تجھ ہی سے سوڈاں۱؎ کی بہر میں — کھاتے ہیں آم تجھ ہی سے لندن۲؎ میں بیٹھ کر
تیرے لذیذ لقموں سے بھرتا نہیں ہی جی — کھاتے ہی کھاتے پیٹ بھی بھر جائے نہ کیوں اپھر
تیری صراحیوں سے پیا جس نے آبِ سرد — تشنہ تھا وہ اگر تو ہوا پی کے تشنہ تر
خوبی کو تیری چاہیے کیا قیدِ امکنہ — کانوں میں تو ہی خوب مکانوں میں خوب تر
پھیلی تجھی سے ہی یہ ضیا قصرِ خلد کی — چھایا تجھی سے ہی یہ سماں تاج گنج پر

۱؎ اور ۲؎ سوڈان میں سیب اور لندن میں آم نہیں ہوتے ۱۲

تیرے صدقے سے نکلی ہیں یہ موتی مسجدیں
بڑھتے ہیں تیرے راگ پہ مردان کینہ خواہ
آتی ہیں تیرے شوق میں فوجیں سمٹ سمٹ
شمشیر برق سے بھی نہیں اُس کو کچھ ہراس
خوش خُلق تیرے قہر سے مشہور کج نہاد
تیرے بہائے بہتی ہیں جھیلیں جہاں تہاں
چھپائیں ہیں تجھ سے برق فلک سنجن دمیں
اسٹیمروں میں تو ہی پھونکی ہوئی تری
تیرے منگائے آتی ہیں ہر گھر میں ہر گھڑی
لاکھوں ورق کا گرچہ ہی دفتر ہوا کرے
کاتب تو اس کو برسوں ہی بیٹھے لکھا کریں
دہقان کی جبیں پہ نہیں قطرۂ عرق
محنت کے بیر تو سے ہیں بھری ہی تری ہٹاس
باغوں میں تو نے پھول کھلائے ہیں جابجا
خوش بو تری ہی طبلۂ عطار میں بھری
تو مشک - تو سہاگ - تو چمپا - تو موتیا
تیرے ہی پیچھے جور کٹاتے ہیں اپنے ہاتھ
ٹھگتے ہیں ٹھگ تری ہی تمنا میں خلق کو
اُس دل ربا کے دل میں بھی ہی تیرے غم سے چھید
ہر ایک کل میں تیرے ہی پرزے ہیں کام کے
تیں واری یہ کیسے جاتی ہیں گاڑی جو ٹھمبا ل

چھُپتے ہیں سیپیوں میں گہر جن کو دیکھ کر
چڑھتی ہیں تیری تاک میں فوجیں غنیم پر
ہوتے ہیں تیرے رعب سے لشکر تتر بتر
جس کی بلا کے ٹالنے کو تو بنے سپر
کج خلق تیری مہر سے مشہور خوش سیر
تیرے چلائے چلتی ہیں ناویں جدھر ندھر
ناویں ہیں تجھ سے شعلہ فشاں سطح آب پر
ریلوں میں تری ڈالی ہوئی جاں ہی جلوہ گر
لاکھوں کروڑوں کوس کی اک آن میں خبر
ہوتا ہی تیرے حکم سے دم بھر میں مشتہر
فارغ تو ایک آن میں ہو چھاپ چھوپ کر
تیرے نثار کو یہ سمٹ آئے ہیں گہر
گنّے کی ہر گرہ میں بندھی ہی تری شکر
پیڑوں میں پھل یہ تو نے لگائے ہیں سربسر
نکہت تری ہی جس سے ہیں سب کے دماغ تر
تو سیوتی تو کیوڑا تو عود تو اگر
تیرے ہی مارے ڈاکو بھی کھوتے ہیں اپنا سر
رہ زن تری امید پہ روکے ہیں رہ گزر
غمزوں سے چھیدتی ہی جو سب کے دل و جگر
کاری گری تجھی سے ہی اس درجہ کارگر
تھاپیں جو زور زور سے پڑتی ہیں طبلے پر

لالن یہ لے رہی ہی بلائیں تری کھڑی
ہیں بھوسے خانقاہ میں تیرے وہ نوحہ گر

"دُھن تاک دھن" نہیں۔ ہی تری تاک۔ تری دُھن
سر گم پہ دھیان غم میں تیرے ایک وقف سر

دلواؤ "مالکوس" کہے "مال" حسب خواہ
"رُوپک کہے" رو پڑیں انھیں دلواؤ پیٹ بھر

"ڈُر ڈُر ڈر ارڈرہ" نہیں بجتا ستار میں
مُطرب کی ہی زبان سے زر زر زنہ آر زر

پیٹتے ہیں جتنے دھوبی ہیں دھو دھو کے تیرے پاؤں
حجّام مدتوں سے مُنڈائے ہیں تجھ پہ سر

بُڑھیا جو بیٹھی کاتتی چرخا ہی رات دن
چوسنے کی آڑ میں ہی نظر اُس کی مال پر

بھانڈ اپنے باپ ماں کو جو دیتے ہیں گالیاں
تیرے ہی ہیں گھرانے کے یہ ناخلف پسر

مسجد میں تو امام ہی منبر پہ تو خطیب
ہی صدر انجمن میں۔ تو جلسوں میں لیکچرر

ہی جزر و مد میں دین کے تیرا ہی جزر و مد
دنیا کے رفع و جر میں ہی تیرا ہی رفع و جر

جاہل ہی تیرے درس سے۔ بو نصر سے سوا
عالم ترے بغیر ہی بو جہل سے بتر

قطعے جو خوش نویس یہ لکھتے ہیں گانٹھ گانٹھ
کرتے ہیں بیٹھے نام ترا مشق عمر بھر

حلقہ بگوش تیرے دوائر ہیں حرف کے
سکّہ جما ہوا ہی ترا لفظ لفظ پر

مُلّا جو صرف و نحو میں کرتا ہی عمر صرف
ہی سارے صرف عمر سے مقصود نحو زر

سمجھایا منطقی نے ہی یہ مجھکو کُلّیہ
خالی طمع سے زر کے نہیں ایک بھی بشر

سلبِ طمع سے گرچہ ہو دل مثلِ آئینہ
اس میں بھی عکس زر کا ضرور آئے گا نظر

تیری گلی کا ایک مہوّس ہی چرخ پیر
کھوٹی سی اشرفی جو دکھاتا ہی ہر سحر

فارغ نہیں کبھی تری خواہش سے صد بدر
خالی نہیں ہی داغ سے تیرے دلِ قمر

خُمس و زکواۃ و جزیہ و صدقہ تو لفظ ہیں
معنیٰ ہر ایک لفظ میں آیا تو ہی نظر

واعظ انھیں زباں زدہ لفظوں کی آڑ میں
تیرا شکار کرتا ہی منبر پہ بیٹھ کر

کس کا خدا کہاں کا رسول۔ اُس کی آنکھ میں
تو ہی خدا ہی۔ بلکہ خدا سے بزرگ تر

ایمان کی جو پوچھو تو شہباز کے بقول
مرتے ہیں تجھ پہ ہم بھی ولیکن نہ اس قدر

ہر چند تو خدا تو نہیں پر خدا گواہ ۔۔۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مسواک

پھول پتا کچھ نہیں۔ کیونکر کہوں میں ڈھاک ہوں ۔۔۔ پوچھتے ہو اصل۔ تو کچھ آب ہوں کچھ خاک ہوں

آستیں گر ہوں۔ تو ہوں جھاڑی ہوئی میں آستیں ۔۔۔ گر گریباں ہوں۔ تو مقراض ستم سے چاک ہوں

پاک باطن شیخ کا ہوتا ہے منہ مجھ سے ہی پاک ۔۔۔ اب تمہیں بتلاؤ میں ناپاک ہوں یا پاک ہوں

زہد کی دستار نے پائی ہے مجھ سے آب رو ۔۔۔ فی الحقیقت چہرۂ تقویٰ کے اوپر ناک ہوں

پادشاہوں کو [illegible] اکثر دیے دنداں شکن ۔۔۔ گفتگوئے امر حق میں اسقدر بے باک ہوں

ہے بجا پڑھتے ہیں [illegible] کلمہ مرا خدام دیں ۔۔۔ خدمتوں سے اپنی ممدوح شہ لولاک ہوں

منہ میں [illegible] ہوں انکی خاطر فا و زہر ۔۔۔ دانت میں ہیں جتنے سم۔ انکے لیے تریاک ہوں

[illegible] ہمدردی کے زخم ۔۔۔ گر کسی صاحب نظر کی آنکھ میں میں تاک ہوں

[illegible] رکھتی ہے ہر لحظہ اداس ۔۔۔ راگنی پیلو کی ہوں میں۔ اسلیے غمناک ہوں

[illegible] پیستے ہیں مجھ پہ دانت ۔۔۔ میں تو کونے میں پڑی مثل خس و خاشاک ہوں

[illegible] ہیں جواہر منتظم ۔۔۔ اس جواہر خانے میں میں اشرف الاسلاک ہوں

[illegible] سدہ پر نام صفا ۔۔۔ جوہر پاکیزگی سے پر ہنر حکاک ہوں

[illegible] چکھتی ہوں بھیجا انکا میں ۔۔۔ میں ورے پر ضحک کے اک اثر در ضحاک ہوں

[illegible] ہر چند ہے بالشت بھر ۔۔۔ سر بلندی سے پہنچتی تا سر افلاک ہوں

گرچہ ہوں صورت میں قفل دہن کی اک کلید ۔۔۔ پھر بھی دانتوں کی حفاظت کو میں چالاک ہوں

[illegible] ہر کوئی۔ ہر ہاٹ میں میرا چلن ۔۔۔ جگ کی تربیت ہوں سنباس کی میں ساک ہوں

پھولتے پھلتے ہیں مجھ سے منفعت کے شاخ و برگ ۔۔۔ بنا میں تقویٰ کے میں اک تانہ تراشاک ہوں

میں نہ مِس بابا ۔ نہ ہوں شہباز ۔ جاتی واک کو
پھر یہ کس ترکیب سے افواہ ہیں مِسواک ہوں

سڑک

زمیں ہوں خاکساری سے ۔ مراتب میں فلک میں ہوں
چلی جاتی ہوں بے کھٹکے ہو جنگل یا کہ ویرانہ
پہاڑوں کے جگر میں راہ کی ہے میں نے حکمت سے
پہاڑوں پہ چڑھی ہوں ، دل میں دریا کے در آئی ہوں
مِرے دونوں طرف کھمبے گڑے ہیں تارِ برقی کے
ہزاروں من کی گاڑی جبکہ مجھ پر سے گزرتی ہے
ہزاروں گھوڑے ہاتھی رات دن مجھکو کھوندلتے ہیں
دلوں سے کر دیے ہیں دور میں نے سر بسر کھٹکے
ہٹو ہی مجھ سے خوش ہیں ، چور اُچکے مجھ سے جلتے ہیں
کسی کو رنج اٹھائے کٹک کیونکر اٹک جائے
لگا رکھا ہے میری خاک نے آنکھوں میں وہ سُرمہ
شبِ تاریک میں گر منزلِ مقصود ہاتھی ہے
شبِ تاریک جب منزل کو زُلفوں میں چھپاتی ہے
سفر کی رات کی زُلفِ دوتا کی مانگ سیدھی ہوں
دُخانِ مشک بو حاصل غبارِ رہ سے ہے مجھ کو
جہاں منزل شناسی کی ستاری چھیڑی جاتی ہو

تواضع کی جہات سے چاند سورج کی جھلک میں ہوں
بڑے مضبوط دل کی ہوں نڈر ہوں بے دھڑک میں ہوں
حکیموں کے لئے درسِ حسن دیدۂ بے رشک میں ہوں
نہنگ و خرس و نون کے خواص مشترک میں ہوں
خبر کے پانوں میں ہر لحظہ بجلی کی لپک میں ہوں
دھڑک بجلی کی ہوں اُسوقت بادل کی کڑک میں ہوں
پڑی آرام سے اسپہ بھی لیکن آجتک میں ہوں
مگر اک چور کے دل میں کسی کانٹے کی کھٹک میں ہوں
جو انکی آنکھ میں بیٹھے ہوں اُنکی نرک میں ہوں
کہ پھیلی من کی صورت آنکھ سے تا کنک میں ہوں
کہ اندھے بھی نہ بھٹکیں راستے سے جب تلک میں ہوں
مسافر ہے مہاوت ۔ ہاتھ میں اسکے بجک میں ہوں
فلک ہے راستی کے کہکشاں کی سی چمک میں ہوں
کہ میں منزلِ مقصود کی پیاری لچک میں ہوں
اگر فرش زمیں ہے دستِ صنعت سے سڑک میں ہوں
سُہانی منزلیں ہوں ۔ ہر تارہ میں پیاری ٹھمک میں ہوں

گریگا کوئی مجھ سے دامن افشانی کا کیا دعویٰ
نہیں آتی ہی خواہش دل میں اصلا کوئی نفسانی

کنارے جو ہوئے ہواس دہر سے دامن جھٹک میں ہوں
خدا جانے ولی ہوں یا بنی ہوں سیلک میں ہوں

کہاں جاتا ہی شہباز اُسطرف ہی گمرہی پھیلی
ادھر آرہ نمائی کو تری سیدھی سڑک میں ہوں

حضرت شہباز کے اچھوتے خیالات

چلتی ہوئی بائیسکل

کسی صبح کو عشرت آباد میں
جلو میں جو سلور۔ خوامی میں نکل
سرکتی ہوئی۔ سرسراتی ہوئی
کہیں کودتی اور لپکتی ہوئی
کہیں سیدھ میں چلکے مڑتی ہوئی
نزاکت سے پڑھتی اُترتی ہوئی
ہجوموں میں پلتی۔ سماتی ہوئی
کہیں ملتے ملتے جھجھلتی ہوئی
کہیں خاصی گھڑ دوڑ کرتی ہوئی
کہیں ریل کے منہ پہ چڑھتی ہوئی
کہیں چستیوں کو بڑھاتی ہوئی
طبیعت کو تائید دیتی ہوئی

سراپا بسی عطرِ ایجاد میں
خوش اسلوبیوں سے چلی بائیسکل
لچکتی ہوئی تھرتھراتی ہوئی
کہیں ناچتی اور تھرکتی ہوئی
کہیں اوج پر چڑھ کے اُڑتی ہوئی
اُترنے میں سو گل کترتی ہوئی
ہر آفت سے بچتی بچاتی ہوئی
کہیں چلتے چلتے اُچلتی ہوئی
کہیں جیت سے جیب بھرتی ہوئی
کہیں میل سے آگے بڑھتی ہوئی
کہیں سُستیوں کو اُڑاتی ہوئی
ہر اک عضو سے کام لیتی ہوئی

لہو کو رگوں میں پھراتی ہوئی
پسینوں کے موتی لٹاتی ہوئی

ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی چلاتی ہوئی
طبیعت کے غنچے کھلاتی ہوئی

جھلکتی ہوئی جھلملاتی ہوئی
چمکتی ہوئی جگمگاتی ہوئی

پرستاں کے جلوے دکھاتی ہوئی
حسینوں کو پریاں بناتی ہوئی

ترارے کسی بن میں بھرتی ہوئی
اچھلتی ہوئی جست کرتی ہوئی

کہیں چشم کی طرح پھرتی ہوئی
کہیں برق کی طرح گرتی ہوئی

کہیں جا کے رکتی اٹکتی ہوئی
کسی جا چٹکتی مٹکتی ہوئی

زمیں سے چمٹتی لپٹتی ہوئی
ہوا میں الٹتی پلٹتی ہوئی

کہیں گرتے گرتے سنبھلتی ہوئی
کہیں رکتے رکتے نکلتی ہوئی

چھپٹتی - ڈپٹتی - رپٹتی ہوئی
گھسٹتی - پھسلتی - اچٹتی ہوئی

سلجھ کر کہیں پھر الجھتی ہوئی
الجھ کر کہیں پھر سلجھتی ہوئی

خوش آیند منہ سے جھڑکتی ہوئی
پمیٹم لونڈر چھڑکتی ہوئی

بہت ہو چکی برق سے نوک جھوک
بس اب بالکل اپنی شہباز روک

حضرت شہباز کے اچھوتے خیالات

پانی

زباں والو سنو میری زبانی
یہ اپنی آپ بیتی ہے کہانی

ادھر آدمی اُدھر آدمی وہ جب تک
اندھیری رات کی عنبر فشانی

ستارے تھے فلک پر جگمگاتے
فلک پہنے تھا جوڑا آسمانی

تھا عالم ہو کا۔ سناٹا۔ تھا چھایا
چلی آتی تھیں آوازیں ڈرانی

پڑا تھا پاؤں پھیلائے ہوئے میں
دکھاتا تھا طبیعت کی روانی

نہ پربت کا بلندی پر تھا یوں راج
نہ چوٹی کی بنی تھی راج دھانی

نہ پیڑوں کی بسی تھی اُس پہ پرجا
نہ جاگی تھی ابھی فطرت کی رانی

لق و دق تھا یہاں سے واں تلک اک دشت
میں ہی میں تھا نہ تھا واں کوئی ثانی

بنا تھا دشت مجھ سے تختۂ سیم
مرے حصے میں تھی گوہر فشانی

مرے قبضے میں تھے ساتوں ہی کشور
یہ مجھکو یاد تھی کشورستانی

چلی اتنے میں بادِ صبح گاہی
خجل جس سے ہوائے بوستانی

ہوا سے کر رہا تھا جبکہ باتیں
ہوئی کرنوں کی مجھ پر مہربانی

بندھے پلے سے میرے دُرِ خوش آب
ٹنکی دامن سے میرے زرفشانی

الوپ انجن لگا کر اُڑ گیا میں
گھڑوں مجھ سے پڑا اگلوں پہ پانی

ہوا چاروں طرف کی کھا کے میں نے
تنے خیمہ یہ اپنے دل میں ٹھانی

سلیماں کی طرح تھا تخت میرا
ہوا کے ہاتھ میں جسکی روانی

بدلتا دوش پر تھا طیلساں رنگ
گلابی۔ چمپئی۔ بادامی۔ دھانی

ابھی پہنے ہوئے تھا سرخ پوشاک
ابھی پھر ہوگئی وہ آسمانی

ہوا جب منتشر بادل کا خیمہ
لگی دینے یہ سقف آسمانی

بچھایا بجلیوں نے تختِ طاؤس
دکھائی شان میں نے شہ جہانی

بندھا تھا موتیوں کا سر سے سہرا
عدن پر پھر لڑی کی حکمرانی

زمیں سے آسماں تک تھی گہر پاش
مرے رخ پر یہ زینت کی نشانی

زمیں پہ بہہ چلے موتی کے دریا
گیا پھر آب پر موتی کی پانی

نہا دھو کر اسی دریا میں جھٹ پٹ
زمیں نے بریں کی پوشاک دھانی

کھلیں باچھیں چنبیلی موتیا کی
ہوئے کُبترے گلوں کے ارغوانی

بچھایا دشت میں سبزے نے مخمل
پہن کر آئی جو ہی جامدانی

چڑھیں انگور کی ٹٹی پہ بیلیں
بھرا سر میں خمارِ نوجوانی

بڑھے بنت العنب کی تاک میں شیخ
سب اپنی طاق پر رکھ سُبحہ خوانی

طرب کے جام کے چلنے لگے دور
لگی ڈھلنے شرابِ ارغوانی

تھیں جتنی کھیتیاں سب لہلہائیں
پڑا جس طرح سوکھے دھانوں پانی

مجھی سے بالیاں گیہوں کی پُرزور
مجھی سے دھان کی پوشاک دھانی

مجھی سے لب پہ بھٹّوں کے تبسّم
مجھی سے خربزوں کی تر زبانی

مجھی سے ہر پھلی تھی سُبحہ در دست
مجھی سے تھی مٹر کی سُبحہ خوانی

مجھی سے تھی اناروں کو میسّر
وہ شیریں کاری و خندہ دہانی

مجھی سے تھی زبانِ نیشکر کو
گرہ کے ساتھ بھی شکر فشانی

اُڑائے میں لئے جب سونے کے جگنو
تو لپٹی ہر شجر سے کامدانی

ہوا پہ پیڑ رشکِ طورِ سینا
تجلّی دم میں۔ دم میں لن ترانی

درختوں پہ تو تھا بُرجوں کا عالم
بنوں میں تھا طلسمِ آسمانی

مجھی سے اب ہمالہ ہی شہنشاہ
مجھی سے سر پہ وہ تاجِ کیانی

لگی ہی برف کی جس میں کہ چاندی
جڑے ہیں نور کے لعلِ یمانی

ضیا پاشی پہ چمکی رعد کو ہو
سدا قوسِ قزح کی خوش کمانی

مجھی سے ہیں یہ گنگا جمنی لہریں
مجھی سے ہی یہ چشموں میں روانی

ہیں چھلکائی ہوئی میری ہی جھیلیں
بہت مشکل ہی جن کی تھاہ پانی

سمندر سات ہیں ساتوں کو لیکن
مری تسلیم ہی صاحب قرانی

بھنور کا ڈال کر کانوں میں حلقہ
اطاعت سب نے میری فرض جانی

عدن میں میں نے بنکر ابرِ نیساں
پلایا تشنہ لب سیپی کو پانی

اسی پانی سے سیپی نے بنایا
وہ موتی جسکا ناممکن ہے ثانی

صدف کی حسن بانو کی بدولت
ہوئی تصدیق حاتم کی کہانی

مری پانی ہوئی ہے ویل مچھلی
حکایت جسکی ہے سب کو زبانی

تبہ اک آن میں ہو جائیں جس سے
جہاں آباد بانی و دخانی

اسی کی روشنی ہے انجمن میں
اسی سے شمع کی آتش زبانی

وہ میری گائے ہے جسکی بدولت
ہوئی ہر بزم میں عنبر فشانی

گئے آہو ختن کے چوکڑی بھول
خطا۔ تاتار سب نے چین مانی

ہرن کی ہر رگ و پے میں بھی میں ہوں
نہ ہوں میں تو ہے مشکل زندگانی

ہیں جتنے مبتلائے تشنہ کامی
مرے چشمے سے سب پیتے ہیں پانی

حسینوں کی جبین پر عرق پہ
مرے ہی موج سے ہے دُر فشانی

جوانوں کی رگوں میں خون بن کر
بڑھاتا ہوں میں ہی زورِ جوانی

ہے ریشوں میں رگوں کی مجھ سے ہستی
رگوں میں ہے مری ریشہ دوانی

کبھی ہوں ڈبڈبائی آنکھ سے میں
غریبوں میں یتیمی کی نشانی

کبھی ہوں سرخ روئی کی لہات سے
امیروں میں دلیلِ کامرانی

میں ہی فی الاصل وہ آبِ دہن ہوں
ہے جس سے وصل کی شیریں دہانی

جو دیکھے آدمی اپنی حقیقت
نہیں وہ بھی مگر اک بوند پانی

من الماء خلقت کلّ شئ
حقیقت میں ہے وحیِ آسمانی

نصیحت اس سے یہ میں نے نکالی
کہ سب کی آب پہ ہے زندگانی

مجھی سے دوستوں میں رسمِ الفت
مجھی سے دشمنوں میں چھیڑ خانی

مجھی سے طوطیوں میں خوش نوائی ‎ ‎ مجھی سے بلبلوں میں نغمہ خوانی
مجھی سے گلبنوں میں شہد ریزی ‎ ‎ مجھی سے نخل میں شکّر فشانی
ادیبوں میں مجھی سے رسمِ آداب ‎ ‎ خطیبوں میں مجھی سے خوش بیانی
مجھی سے میوۂ شاخِ فصاحت ‎ ‎ مجھی سے شیوۂ شیوا زبانی
پرندے اور چرندے اور درندے ‎ ‎ سبھی ہیں میرے زیرِ حکمرانی
میں ہی موسیٰ کے چشموں میں عصا سے ‎ ‎ بنا تھا لطف و رحمت کی نشانی
میں ہی ساقیِ کوثر کے کرم سے ‎ ‎ بھرونگا حوض میں کوثر کے پانی
کلیم اللہ کو میری بہ دولت ‎ ‎ ملی وادیِ ایمن کی شبانی
ولی ہو - قطب ہو - یا ہو پیمبر ‎ ‎ ہو جاں بخشی میں یا عیسائے ثانی
زمانِ بو البشر سے لے کے تا حال ‎ ‎ سبھی نے کی ہے میری قدردانی
رگوں میں ہوں پیمبر کی بھی دوڑا ‎ ‎ میری ہے - ہر جگہ ریشہ دوانی
عرب ہر چند ما کہکر پکارے ‎ ‎ ہے ما سے بڑھکے میری مہربانی
نہیں جل عز و جل کی ہے وہ تخفیف ‎ ‎ جلالت ہے مری ہندو نے مانی
ولایت میں ہوں موتی کی سی میں آب ‎ ‎ زعہد پیش وادی و کیانی
سمجھتا آب رو تھا مجھکو زردشت ‎ ‎ وہ گو آتش پرستی کا تھا بانی
ہیں جتنے دیوتا سب میرے پیاسے ‎ ‎ بتوں کے ہونٹ پر میری کہانی
الٹ کرشنا ستر کو بھی جو دیکھو ‎ ‎ تو پہلے ہے کتھا میری بکھانی
کنول جس سے کہ نکلے تھے مہادیو ‎ ‎ مجھی سے وضع میں تھا پرنیانی
کبھی غاروں میں اک جا جم کے بیٹھا ‎ ‎ کبھی ملکوں کی میں نے خاک چھانی
چلا جاتا ہوں کوسوں پا کے موقع ‎ ‎ دکھاتا زندگانی کی روانی
اچھلتا کودتا - گاتا بجاتا ‎ ‎ مچاتا شور - کرتا نوحہ خوانی

جلو میں ہیں جہازوں کے رواں شہر
کسی کو امن کے ساحل پہ پھینکوں
تجارت میں پڑی ہی جان مجھ سے
میرے تیرتھ کو بھاگیں جوگی بھوگی
دکھائے سرد مہری گرم جوشی
بجھا دوں آتشِ سیّال کی آگ
جما دوں جیٹھ میں کھیرے کی قفلی
مری سبزی میں رونق بخشی خضر

دخانی کوئی - کوئی بادبانی
کسی پر پھیر دوں طوفاں سے پانی
ہوئی ہر ملک میں سستی گرانی
ہیرے درشن کو دوڑیں گیانی دھیانی
لگی دل کی بجھائے سرد پانی
بنے شربت شرابِ ارغوانی
بھروں مصری میں اولوں کے معانی
میری ظلمت میں آبِ زندگانی

عجب کیا خضر کے منہ سے ہوا ارشاد
کہ ہے یہ نظم "آبِ زندگانی"

حضرت شہباز کے اچھوتے خیالات

جیبی گھڑی

آج آکے میری جیب میں وہ چھپ ہی پڑی
چہرے پہ اس کے صاف ہی بلّور کی چمک
جس دم شعاع مہر سے ہوتی ہے یہ دوچار
پاکیزہ خط و خال ہیں اس وضع دل فریب
آنکھیں وہ نرگسیں ہیں کہ نرگس بھی تاب رہے
پھرتی ہیں فرط ہوش سے دل ربا پتلیاں

جس پر نثار ہونے کو سونے کی ہے لڑی
منہ چوم کر شعاع خوشی سے اچھل پڑی
چھٹ جاتی ہے ضیا سے خوش آئند پھلجھڑی
زاہد کے دل میں جس سے کہ پیدا ہو ہر بڑی
چھوٹی ہیں دیکھنے میں مگر کام میں بڑی
پلکوں نے جن کے ہاتھ میں دے رکھی ہے چھڑی

منہ میں قلم کی طرح ہے اس کے بھی دو زباں ۔۔۔ دونوں قلم ہوں گر کبھی رک جائیں اک گھڑی
اُلٹی یہ بات ہے کہ یہ رکھتی ہے ایک کان ۔۔۔ حلقے کے ساتھ کان میں زنجیر ہے پڑی
ہر وقت یعنی اس کو اطاعت کا ہے خیال ۔۔۔ خدمت کو آٹھوں پہر ہے اک پاؤں پہ کھڑی
اغوا سے گر کسی کے یہ پھر سے بھاگ جائے ۔۔۔ منگواؤ اس کو ہاتھ میں ڈلوا کے ہتکڑی
پردہ نشیں ہے اس لیے پردے کا ہے خیال ۔۔۔ زرّیں نقاب جال کے اوپر سے ہے پڑی
جتنے ہیں گُن ہیں پیٹ میں اس کے بھرے ہوئے ۔۔۔ احشا[1] نہیں گُنوں نے پروئی ہے اک لڑی
کھائی ہیں چرخ غور نے لاکھوں ہی گردشیں ۔۔۔ جب جا کے اس کے جسم میں یہ جان ہے پڑی
تریاق اس کے منہ میں ہے صانع نے بھر دیا ۔۔۔ مارے ہوئے جو کنڈلی ہے اک ناگنی پڑی
آبِ حیات اُس سے اُبلتا ہے رات دن ۔۔۔ گویا ہے اس کے ہاتھ میں لقمان کی جڑی
ڈالی ہے جس نے چول سے ہیرے کی اس میں جان ۔۔۔ پہنوا دو اس کو کان سے ہیرے کی اک چھڑی
نو سے کسی طرح نہیں کم اس میں چرخ بند ۔۔۔ حکمت کی چرخ چرخ میں اک کیل ہے جڑی
نو سات جتنے چرخ ہیں گردش میں ہے ہر ایک ۔۔۔ گویا ہر ایک چرخ پہ ایک بھیڑ[2] ہے پڑی
افضل ہے مہر و ماہ سے انجم سے ہے سوا ۔۔۔ ہر وقت رہنما ہے یہ بدلی ہو یا جھڑی
لوہے سے کس طرح ہے بنائی یہ کیمیا ۔۔۔ صانع نے اس میں ڈالی ہے کیا جاگنے کی جڑی
سونے کا گھر نہیں ہے یہ مجلس ہے زرنگار ۔۔۔ ہے قید وقت پاؤں میں زنجیر ہے پڑی
گر وقت بھاگنے کا کرے قصد قید سے ۔۔۔ داروغہ ضبطِ وقت کا دے ڈال ہتکڑی
وہ زندہ دل کہ گر کوئی غفلت سے اونگھ جائے ۔۔۔ جمتول[3] اک جا ہے تو دے تان کر تڑی
غفلت کھڑی ہو سامنے اس کے مجال کیا ۔۔۔ دھم سے زمیں پہ آئی ہے کھائے وہ چڑی[4]
جس کے حضور جا کے کرو حال یہ بیاں ۔۔۔ وہ ہی کہے کہ جھوٹ ہے سب جی کی ہے گھڑی

۱ دل جگر گردہ وغیرہ
۲ ڈھیر
۳ وہ پرزہ جو جگانے کے کام میں آتا ہے
۴ لات

شہباز گرچہ ہے یہ پہیلی کھلی کھلی
بوجھے گا پھر بھی جو کوئی پائے گا اک گھڑی

حضرت شہباز کے اچھوتے خیالات

قانونی پپیہے

آٹھ ساڑھے آٹھ بجتے یہ جو کالج کی طرف
اُن کی باتیں ہیں عجائب چالیں اُن کی غریب
کر رہا ہے شرحِ قانونِ شہادت لکچرر
ہے کھلا واں میز پر قانونِ تعزیرات ہند
واں ہے عرفی حیثیت اُس کا ازالہ زیرِ بحث
ہو رہی ہے بحث واں اسلام کے قانون کی
دیکھتا ہے اک گزٹ میں وانٹڈ کے اشتہار
تیسرے صاحب کے آگے ٹائم ٹیبل ہے کھلی
پانچویں صاحب جمائے ہیں نظر دیوار پر
ہیں شرارت شیطنت میں ساتویں ابلیس وقت
ہاتھ میں ہیں مخش تصویریں نویں صاحب لئے
ایک دو کو چھوڑ کر یوں ہیں سب ہی وقفِ فضول
مارے باندھے آتے ہیں ہیں جنکو پرنسپل کا ڈر

جاتے ہیں قانون کا سننے کو لکچر کچھ جواں
ہونگے کم اس طرح کے قانون خواں قانون داں
تیغِ غمزہ سے ہے واں دل کی شہادت کا بیاں
قیدِ تنہائی کا شکوہ ہے انھیں یاں بر زباں
یاں ہے بکر فکر کو کچھ اور ازالے کا گماں
چھڑ گئی ہے یاں کسی کافر کی رنگیں داستاں
پڑھ رہا ہے دوسرا ناول کوئی لذت نشاں
چوتھے صاحب دیکھتے ہیں نقشۂ ہندوستاں
اور چھٹے صاحب ہیں بیٹھے کر رہے خوش فعلیاں
آٹھواں ہے ہنسنے ہنسانے میں ہی کشتِ زعفراں
دسویں صاحب دے رہے ہیں لکچرر کو گالیاں
لکچرر کا ہے فضول اس حال میں حسنِ بیاں
چین سے ہیں گھر میں بیٹھے جن کو ہے اس سے اماں

۵۱ ضروریات اشیاء   ۵۲ حاضری اسکول کی مقررہ تعداد ۱۲

حاضری کی "پی"[1] کی ہو ان کو رجسٹر میں تلاش | ہیں قانونی پپیہے بولتے ہیں "پی کہاں"

حاضری اس طرح کی شہباز کب ہے شرطِ عقل
یونیورسٹی میں گو ٹھہری ہو شرطِ امتحاں

مولٰنا شہباز کا جھولا

مبارک ہو لگیں پڑنے پھُواریں
پڑے خوبی سے امریوں میں جھُولے
وہ ریشم کی ہری اور لال ڈوری
بندھا ڈوری سے وہ صندل کا پٹرا
کمر خوبی سے پینگوں پر لچکتی
سُہانی وہ دلوں کی سنسناہٹ
ادا کچھ پاکے وہ کھوئی ہوئی سی
وہ ہر دم دل میں اُٹھتی گدگدی سی
سُبک سیدھی سرکتی سرسراتی
نہ جمتی آنکھ میں ہموار ہوتی
وہ پینگوں کا بڑھانا بانکپن سے
پڑے پینگوں کے جھونکوں سے جھکولے

خزاں رخصت ہوئی آئیں بہاریں
ہوا میں حُسن کے گلزار پھولے
حنائی اُنگلیاں وہ گوری گوری
وہ پائے صندلیں صندل کا کٹرا
خوشی دل میں اُمنگوں سے اُچھلتی
مزوں کی پیاری پیاری دل میں آہٹ
وہ دہشت دو دھ کی دھوئی ہوئی سی
دمکتی دمبدم مُنھ پر خوشی سی
زمیں ٹھہری ہوئی وہ نکلی جاتی
ہوا کی طرح خوش رفتار ہوتی
یکایک دل کا ہو جانا وہ سن سے
لگے دل میں اُمنگوں کے ہنڈولے

[1] رجسٹر اسکول میں حاضر طالب علم کے لیے انگریزی حرف P لکھا جاتا ہے ۱۲

بنا رکھی ہیں پینگوں نے کمانیں
کہ سب خوش قامتوں کو تیر جانیں

ہوے جاتے ہیں دل ہر چند سن سن
برابر چل رہے ہیں تیر زن زن

کھڑی پینگوں پہ ہیں جو تیر قد دو
اُنھیں دو پرّہ پر کار سمجھو

بھری ہیں ان میں اقلیدس کی شکلیں
دوائر اور قسی ہی ان سے نکلیں

غرض ہی ان سے عشرت کی مساحت
کہ ہو ثابت دلوں میں شکل راحت

لکھا شہباز نے جھولے کا کب حال
بچھایا عشق کا اس آڑ میں جال

پروفیسر شہباز کے نیچرل خیالات

(مرقع فطرت)

"بچّوں کو دودھ پلاتی کتیا"[1]

کتیا جو ہی دودھ پلاتی
قدرت کی ہی سیر دکھاتی

چھ چھ بچے چمٹے ہوئے ہیں
ایک جگہ سب سمٹے ہوے ہیں

پاؤں ہیں پیچھے ہاتھ ہیں اوپر
چھاتی پہ منہ لیمن اسکوئزر

شیرہ سب ہیں نچوڑے لیتے
خالی سفل میں چھوڑے دیتے

چھاتی نہیں یہ منہ میں دبی ہی
منہ سے لگی یہ مُرغبی ہی

منہ میں جب کوئی جرعہ آیا
بس آنکھوں میں نشہ سا چھایا

[1] یہ نظم اورنگ آباد دکن میں دودھ پلاتی کتیا دیکھ کر لکھی گئی تھی ۱۲

جس کو دیکھو ہی وہ مزے میں
جام پئیں گے یہ جی بھر کے
عرش سے ان پر مئی ہی برستی
ظاہر میں ہی ادنےٰ کتیا
سر سے پا تک خاص ادا ہی
اپنی محبت پر یہ اڑی ہی
کھاتی منہ کے سو سو جھٹکے
حیران ہی چپ چاپ کھڑی ہی
سر کچھ کچھ آگے کو بڑھائے
دودھ پلاتی ہی بچوں کو
جام محبت ہی چھلکاتی
الشان کے گرد وہوں بچے
پہ کتیا کے ضبط کو دیکھو
لطف برابر فرماتی ہی
جھنجھلاتی ہی، مگر غیروں پر
کتوں پر بھی غراتی ہی
کتے تو کیا ہیں شیر گرائے
پاؤں کو اپنے سرعت دے
دم میں چھکے صاف چھڑا دے
ہڈی پسلی توڑ کے رکھ دے
گویوں ہی یہ غضب کی شدت

آنکھیں بند ہوئی ہیں لٹنے میں
باز رہیں گے خالی کر کے
رشک کی جا ہی ان کی ہستی
باطن میں ہی مہدالعلیا
مہر بھری بچوں کی ما ہی
شفقت کی تصویر کھڑی ہی
رنج ولیکن پاس نہ پھٹکے
فطرت گویا آپ کھڑی ہی
دم کچھ کچھ نیچے کو دبائے
وجد میں لاتی ہی اچھوں کو
رنگ الفت کا ہی جھلکاتی
دو ہی دل میں گھبرا اٹھے
تنہا پالتی ہی چھ چھ کو
گھبراتی ہی نہ اکتاتی ہی
آنچ نہ آئے تا بچوں پہ
کھسیاتی ہی جھنجھلاتی ہی
اس سے بھی یہ منہ نہ پھرائے
لپکے، بجلی کو حیرت دے
اڑ کر سارے ہوش اڑا دے
دانتوں سے جھنجھوڑ کے رکھ دے
پردے میں ماں بھی ہی شفقت

صدقے اے قدرت کے مالی	پھول جلالی شاخ جمالی

پروفیسر شہباز کے روشن خیالات

جنّت کے جھروکے

کھلے ہم پہ دنیا کے دھوکے کھلے
کھڑاکے سے اب یہ کھلیں کھڑکیاں
عجائب ہیں کچھ اُن جھروکوں کے طور
تکلف سے ہیں کھڑکیاں کھل رہیں
نئے حسن ہیں خوبیاں ہیں نئی
دکھاتے ہیں پیاری لپٹ اور جھپٹ
سدا کھلتے اور بند ہوتے ہوئے
لچکتے کبھی پنکھڑیوں کی طرح
کبھی کھل کے دُھڑ تک دکھاتے ہوئے
کھلی ہے کہیں اس طرح جھلملی
کہیں اس طرح ہیں دریچے کھلے
کہیں کھڑکیوں میں یہ خوبی ہوئی
کہیں خوبیوں کا ہے سلسلا
کہیں ہے کہیں دل میں پیدا اچھال
کہیں مست آنکھوں کی تصویر ہے

نہ جنت کے ایسے جھروکے کھلے
جھڑاکے سے غم کو ملیں جھڑکیاں
نہ دیکھی کھلی یوں کبھی چشم غور
ترازو میں ہیں خوبیاں تل رہیں
جھروکے نئے، کھڑکیاں ہیں نئی
کھلے کھڑکیوں اور جھروکوں کے پٹ
لطافت کے موتی پروتے ہوئے
جھپکتے کبھی انکھڑیوں کی طرح
کبھی منہ کے سب کچھ چھپاتے ہوئے
کلی جس طرح ہو کوئی ادھ کھلی
کہ کھلنے پہ غنچے ہوں جیسے تلے
کہ جس طرح کلیاں ہوں بکھری ہوئی
کہ جس طرح ہو پھول پورا کھلا
کہ ہے عیش میں دل کا بے چین حال
کہیں خواب مستی کی تعبیر ہے

کہیں ہیں تبسّم سے لب ہنس رہے — کہیں پھول خوشبو میں ہیں بس رہے
کہیں ہیں کھلے مثلِ آغوشِ شوق — کہیں لے گئے ہیں کچھ اُس پہ بھی فوق
بدلتے ہیں ہر چند جھوکوں کے ساتھ — یہ خوبی سدا ہی جھروکوں کے ساتھ
بناتے ہیں وہ خوش نما دائرے — ہیں جن ڈلو میں بے انتہا زاویئے
ہر اک دائرے میں ہیں محجوبیاں — ہر اک زاویئے میں ہیں سو خوبیاں
ہے نظر ایک لیکن وہی سیکڑوں — ہے دل ایک لیکن خوشی سیکڑوں
ہے اس طرح کا جن جھروکوں کا حال — ہو واں کس طرح حور و غلماں کا کال

حوریں

وہ حوریں ہیں گردن نکالے ہوئے — ذرا ہوش گٹھری سنبھالے ہوئے
ڈھلی ہیں وہ سانچے میں یاقوت کے — فرشتوں کے ساماں ہیں یا قوت کے؟
صراحی کی گردن میں یہ آب کب — اگر آب بھی ہو تو یہ تاب کب
ہے ممکن یہ گردن ہمیں ہاتھ آئے — جو ہوتی کی بینساں صراحی بنائے
نظر خوبیوں پہ اگر اُس کی جائے — یہاں وہ صراحی بھی گردن جھکائے
وہ گردن میں عالم لطافت کے ہیں — خدا جانے کیا گھونٹ شربت کے ہیں
یہاں پیک کا ذکر کیا پھر بھی رنگ — سکھاتا گلوری کو ہے رنگ ڈھنگ
گلے سے گر اُترے شرابِ طہور — ابھی جگمگا جائے مینائے نور
مڑے جب لطافت اُدھر سے مڑے — کہاں ایسی مینا کو گردن جڑے
سلیقے سے گردن ہے مڑتی ہوئی — تبسّم سے خوشبو سی اُڑتی ہوئی

گرہ کی طرح گرچہ گردن میں ہے
نزاکت سے ٹہنی یہ ہلتی ہوئی
بڑھاتا ہے گردن کا خط دل میں شوق
وہ کنٹھی ہے موتی - ہے ریشم یہ خط
عجب ہے یہ قدرت کا کنٹھا بنا
صباحت سے بینا یہ سرشار ہے
وہ کنٹھے کی زینت سپیدی یہ ہے
یہ کنٹھا نہیں ہے صباحت اثر
سحر کہہ رہی ہے یہ کھڑکی سے جھانک
صدف میں جو ہوتی سُنے یہ مقال
بناوٹ سے جائے سحر پھر بگڑ

کلی موگرے کی یہ گلشن میں ہے
نسیم مسرت سے کھلتی ہوئی
پنہایا ہے قدرت نے قُمری کو طوق
ہے قدرت کے کنٹھے کا جس سے نمط
سُہیل یمن جس پہ شیدا بنا
سپیدی سحر کی نمودار ہے
ستارہ سحر کا بلندی یہ ہے
اثر سے قریں ہے دعائے سحر
دیا کس نے موتی گریباں میں ٹانک
سحر سے کہے منہ گریباں میں ڈال
گھر لے سحر کا گریباں پکڑ

آموں کا بچپن

پھاگن کا ہے مہینا عشرت کا دور آیا
چہرے سے پتے پتے کے خرمی عیاں ہے
شاخیں جھکی ہوئی ہیں ٹہنا تنا ہوا ہے
نقش و نگار زریں ہر تر یہ ہو رہے ہیں
کیا بھینی بھینی خوشبو چاروں طرف ہے پھیلی

مہکا ہوا ہے صحرا باغوں میں مور آیا
جو شاخ آم کی ہے اک شاخ زعفراں ہے
جو پیڑ آم کا ہے دولھا بنا ہوا ہے
جو پیڑ باغ میں ہیں کشمیر ہو رہے ہیں
خوشبو کو سونگھ بھنورا مجنوں ہے شاخ لیلی

کیا مست بو ہی پھیلی بھایا جو اس کا آئیں
گرو اپنے دل کے دامن سے آن دھو رہی ہیں
یہ مکھیاں کسی دم سوتی نہ اونگھتی ہیں
پُرشغل زمزموں سے اک دھوم ڈالتی ہیں
تو بنا نہ تار کھونٹی، سندری نہ ہی جواری
لے جا رہی ہیں ہر دم ہر لحظہ اپنے گھر یہ
کرتی ہیں جا کے گھر میں شہد اپنے یہ ذخیرہ
ملتے جو خضر مجھ کو تو اُن سے میں یہ کہتا
مکھی کو آج امرت سا کر کام رہا ہے
آبِ دہن کی خوشبو چاروں طرف ہے پھیلی
قطرے کی جب بنائی آبِ دہن نے شیشی
یہ عطر پُرحلاوت گر جا کوئی سُنگھا سے
بھنورے بھی ہر طرف سے یاں آ گئے سمٹ کر
اونچی بھنبنگ ہے وہ بادل سے چھا رہے ہیں
خوش بو کے عشق میں یہ کیا ہوش کھو رہے ہیں
بھنوروں کو مکھیوں کو فطرت ہی شہد دیتی
بیکار ہو رہے کچھ ان کو نہیں بٹھاتی
پُرلطف زمزموں سے ہیں دھوم جو مچاتے
وہ بچے نر سے مادہ شاہیں وہ آن چمٹیں
معصوم وار عشرت کی کروٹیں بدل کر
یاں تو معاملے یہ عشرت کے ہو رہے ہیں

کو سوں سے مکھیاں بھی کیا کیا سمٹ کے آئیں
گچھے یہ پھول کے وہ قربان ہو رہی ہیں
ہیں مست بھینی بھینی خوش بو یہ سونگھتی ہیں
محنت کی سختیوں کو گا گا کے ٹالتی ہیں
اور بج رہی ہے ان کی پھر بھی پڑی ستاری
شربت لذیذ شیریں اور صاف چوس کر یہ
ہوتی ہے عقلِ انساں اس واقعے سے خیرہ
ہے شہد آبِ حیواں ظلمات ہے پیٹ ان کا
یہ شہد تو نہیں ہے امرت اُبل رہا ہے
منہ اُن کا کر رہا ہے کیا کیا گلاب پاشی
لذت نے سر سے پا تک خوش بو سی اُن میں بھر دی
حلوائی اور گندھی دونوں کو رشک آئے
کیا کیا لگا رہے ہیں پیڑوں کے گرد چکر
اوپر ہی اوپر اپنا گا اور بجا رہے ہیں
عاشق کی طرح بالکل مدہوش ہو رہے ہیں
اور چپکے چپکے اُن سے ہے اپنا کام لیتی
نر اور مادہ شاخوں کا بیاہ ہے رچاتی
سج سج ہیں شادیانہ دولہا دلھن کا گاتے
گردن میں ڈال باہیں جی کھول کھل لپٹیں
دیتی ہیں داد عشرت رکھ کر منہ اپنا منہ پہ
دل کا شنگار فطرت کچھ تخم بو رہے ہیں

اِس باغ میں ہیں جتنے بادِ صبا کے جھونکے
عشرت کی کروٹیں یاں جوبن بدل رہی ہیں

شاخوں میں جب زمرّد کی طرح یہ پھلیں گی
کوئل نے آکے پیچھے اک تان یوں لگائی

ہیں دیکھنے میں گرچہ خشخاش کے سے دانے
ننھے حصر ہیں انھی میں پوشیدہ برگ اور بار

اشجار میں کروڑوں قوّت کے ہیں لگے پھل
کِھل کِھل پڑیں جو کلیاں قوّت کی اِن پھلوں کی

گچھے ہیں بور کے پھل ہیں گٹھلیاں پھلوں میں
قدرت کے گلستاں میں پھیلا ہے پانوں جب شاخ

کھل پڑنے پر یہ نوعی زنجیر گو بڑی ہے
قدرت کے سُبحے کا ہے وہ پُر طلسم دانہ

تسبیح کیریوں کی ہے اک طلسمِ حیرت
یہ کیریاں نہیں ہیں بچے ہیں دودھ پیتے

جڑنے زمیں کی چھاتی سے بھر رکھے ہیں سینے
آنکھیں ہیں بند ان کی اور دودھ پی رہے ہیں

سرسبز شاخ ان کا گہوارہ ہے بناتی
پیارے سُروں میں کوئل دیتی ہے لوری آکر

کیا جانیے یہ بچے تھے جاگتے کہ سوتے
پتّوں نے ننھی مُنّی بگھی جو لا کھڑی کی

آیا کبھی پیچھے پیچھے بگھی تھی آگے آگے

ٹُوٹے ہیں گوشِ جاں میں سرسبز کیریوں کے
بس کیریاں ہی سانچے سانچے میں ڈھل رہی ہیں

پتّوں کے دامنوں میں یہ کیریاں پلیں گی
"باغوں کو ہو مبارک! دیں کیریاں دکھائی"

ہیں پھر بھرے انھی میں قدرت کے سو خزانے
سمٹے ہوئے انھی میں ہیں بیشمار اشجار

ہر پھل میں لگ رہا ہے آموں کا ایک جنگل
حد پھر نظر آئے صحرا میں جنگلوں کی

گٹھلی میں کونپلیں ہیں شاخیں ہیں کونپلوں میں
سر کھینچیں آسماں تک لاکھوں زمرّدیں کاخ

ننھی سی کیری میں پر سمٹی ہوئی پڑی ہے
جس میں چھپا ہوا ہے تسبیح کا رخانہ

پڑھتے ہیں جس پہ عامل "سبحان تیری قدرت"
جو دودھ کے سہارے اس مہد میں ہیں جیتے

پہنچاتے منہ تلک ہیں نلیاں ربڑ کی ریشے
آغوشِ تربیت میں کیا خوب جی رہے ہیں

بن کر نسیم دایہ ہے دم بدم ہلاتی
"سو جا تو بالے بھولے سو جا تو پیارے دم بھر"

شبنم کو منہ اندھیرے دیکھا منہ ان کا دھوتے
آئے مزے میں سب ہی اُن کو ہوا خوشی کی

دہنی طرف بھی دوڑے بائیں طرف بھی بھاگے

پھیلائی اس میں مشرق سے مہر نے حرارت
سائے میں ہی جھُلاتی گاہے اُچھالتی ہے

پتّوں کے خیموں نے کی آدھوپ سے حفاظت
نازو نعم سے فطرت یوں اِن کو پالتی ہے

آموں نے ہوش سنبھالا

خشخاش کیریاں تھیں پہلے ہوئیں مٹر پھر
اس سے بڑھیں تو چمکیں بنکر گلاب جامن
نشو و نما جوان کی اس سے کچھ آگے سرکی
کوئی درخت اِن کو دل اپنا جانتا ہے
کاش ایسے دل ہمارے سینوں میں بھی لٹکتے
دل میں سے گٹھے ہمیشہ اصلی سرور رہتے
پتّوں کے جمگھٹوں میں شکلیں ہیں بھولی بھولی
بُشرے پہ کیریوں کے رونق ہے اِس چمک کی
چہرے پہ اپنے آنکھیں گرچہ نہیں یہ رکھتیں
جادو سے اپنے چشمک ہر دم یہ مارتی ہیں
نے بہرِ کان سے بھی گو ہیں دکھائی دیتی
تیور سے اپنے یہ تو ہیں چشم و گوش والے
عارض بھرے بھرے ہیں [illegible] کے دو نگینے
ٹھوڑی نکیلی اُن کی ہے بوسہ گاہِ خوبی

دُو دُو مٹر کی ہو کر تھیں بیر سر بسر پھر
سرسبزیوں کی ملجا شادابیوں کی مامن
میزان تربیت میں ٹھہریں چھٹانک بھر کی
اور کوئی پیڑ اِن کو گرو ہی مانتا ہے
شیرے لذیذ جن سے تاثیر کے ٹپکتے
اخلاق کے نشے میں دن رات چور رہتے
ہے جن پہ لطف و خوبی نے اک دُکان کھولی
جن نور سے ذہانت چہروں پہ ہے دمکتی
پر کہہ رہا ہے چہرہ سب کچھ ہیں یہ سمجھتیں
کیوپڈ کی طرح الفت دل میں اُبھارتی ہیں
سننے سنانے پر ہے صورت گواہی دیتی
رکھتے ہیں یہ قیافے کے عقل و ہوش والے
بھر جاتے ہیں خوشی سے دیکھے سے جن کے سینے
جو جودت و ذکاوت میں سربسر ہے ڈوبی

جب اس طرح کا صورت پر ذہن اور ذکا ہو
مکتب میں ان کو علوی آبا نہ کیوں بٹھائیں
کیوں دے نہ روشنی پر خورشید دن کو چکر؟
برگ شجر بھی علمی کرسی نہ کیوں بچھائیں؟

تعلیم کو زمانہ پھر کیوں نہ اُٹھ کھڑا ہو
اوراق قاعدے کے کیوں تتلیاں نہ لائیں
ہیئت کا کیوں نہ کھولے راتوں کو چرخ دفتر؟
تحلیل کیمیادی کا گُر نہ کیوں بتائیں؟

طوفان کی آمد

کیا بات ہے یکایک رنگ آسماں کا بدلا؟
کچھ دیکھ سے اُفق کی خاکی دُھواں اُٹھا کر
خاکی لپٹیں دھوئیں کی بل کھائے جا رہی ہیں
تاثیر عکس سے اب بدلا ہوا سماں ہے
کس طرح کا تماشا ایجاد ہو رہا ہے
یوں دیکھنے میں خیمہ چپ چاپ گو کھڑا ہے
فانوس سا اس میں ہے روشنی سمائی
کرنوں نے جب غباری خیمے سے سر اُبھارا
کیا روشنی طلائی خوبی سے چھن رہی ہے
ہر چند خلق کو اک حیرت لگی ہوئی ہے
کیا جانیے فلک نے کیوں تیوریاں چڑھائیں؟
خاکی ڈھلان کی موجوں کو تیرگی دباتی

مشرق سے بحر نیلی کیوں ہو چلا ہے گدلا؟
دامن میں آسماں کے ٹانکی ہوا نے جھالر
اُمڈی ہوئی گھٹا کا غا کا اُڑا رہی ہیں
چوتھائی آسماں تک چھایا ہوا دھواں ہے
خاکی دُھوئیں کا خیمہ استادہ ہو رہا ہے
چُھپکے ہی چپکے لیکن مغرب کو بڑھ رہا ہے
پڑتا ہے عکس بحر اور دشت پر طلائی
آیا نظر زبردست آنکھوں کو اک غبارا
سطح زمیں طلا کا اک طشت بن رہی ہے
اس روشنی کے پیچھے ظلمت لگی ہوئی ہے
ظلمت نے نیلی وردی کی پلٹنیں بڑھائیں
اپنی سیاہ وردی کا رُعب ہے جماتی

سلا قواعد

دکھلا رہا ہے آنکھیں وحشت فزا دھندلکا — ہے سنسناہٹوں میں ہنگامہ ٹڈی دل کا
گھوڑوں پہ آرہے ہیں پیش از عدد بگولے — گردوں نسب بگولے عفریت قد بگولے
گھوڑے کو اپنے بڑھکر کوئی جما رہا ہے — کوڑا جما کے کوئی کاوے پہ لا رہا ہے
وہ آگیا بگولوں کا لیجئے طلایا[۱] — طوفاں کے ہاتھ سے اب بھاگیں کہاں خدایا!
آتے ہی اُن کے ظلمت کا چھا گیا گھٹا ٹوپ — کس دھوم سے سلامی ہے کر رہی ادا توپ
وحشت کا بینڈ باجا زوروں سے بج رہا ہے — بجلی کڑک رہی ہے بادل گرج رہا ہے
شیر آفتوں میں گھر کر بن میں دہاڑتے ہیں — طوفان کے گلے سے ہاتھی چنگھاڑتے ہیں
طوفان نے یہ کیسی آکر ہوا چلائی ؟ — مُنہ پر اُڑی ہوئی ہے ہر شخص کے ہوائی
دروازے کیوں گھروں کے غصّے سے لڑ رہے ہیں — دیوار پر طمانچے کیوں ڈر کے پڑ رہے ہیں ؟
چھپّر کھسوٹتے ہیں کیوں اپنے بال ناحق ؟ — صحن ہر مکاں کا ہے کیوں رنگ اس طرح فق ؟
کیوں نالیاں زمیں کو دشمن سمجھ رہی ہیں ؟ — ساحل سے کس لئے یوں موجیں اُلجھ رہی ہیں ؟
بگڑی ہوئی ہوا کا ہے یہ فساد سارا — ہر انتشار سے ہے طوفان آشکارا

باغوں میں اُس کا زور

باغوں میں آن کر اب طوفاں کا زور دیکھو — چنبر ہیں ہر شجر کے آفت کا شور دیکھو
جھونکوں سے آفتوں کے شاخیں لچک رہی ہیں — ٹوٹی ہیں جو وہ اُلٹی سیدھی لٹک رہی ہیں
ٹہنوں پہ پڑ رہی ہے شاخوں کی مار پیہم — آیا ہے اس غضب سے پیڑوں کا ناک میں دم
برگِ شجر غلط ہے ہذیاں نہیں یہ بکتے — تکلیف درد سے خود یوں پڑ رہے ہیں سسکتے

[۱] وہ فوجی گروہ جو رات کو شہر یا اپنے لشکر کی چوکسی کرے۔

شاخیں کچھ اس طرح سے آپس میں لڑ رہی ہیں
ہر شاخ پر ہزاروں تلواریں پڑ رہی ہیں

ہنگامہ ہر شجر کے گھر میں مچا ہوا ہے
اک خانہ جنگیوں کا عالم رچا ہوا ہے

شاخوں میں اور ان میں فرقت کا ڈھنگ ہو کر
لاکھوں ہی اُڑ رہے ہیں پتے پتنگ ہو کر

اُلجھے ہیں بال پھیلی شاخوں کی گردنیں ہیں
باہم گتھی ہوئی کُل منڈی کی کنجڑنیں ہیں

بیٹھے بٹھائے ایسی کیا آئی اُن کے جی میں
پہلے تو عاشقانہ برتاؤ تھے ابھی میں

ڈر سے پرند سُکڑے سمٹے پڑے ہوئے ہیں
ہوش اُن کے گھونسلوں کی صورت اُڑے ہوئے ہیں

آنکھیں ہیں بند دونوں چونچیں کھلی ہوئی ہیں
اُڑنے پہ مرغ بنکر جانیں تلی ہوئی ہیں

سنگترے

باغوں میں بھر کر ڈالی میں لاتی ہے ڈالی سنگترے
سر سبزی سے دکھلاتے ہیں سبزی میں لالی سنگترے

صورت میں ماہِ کامل ہیں اور ماہِ کامل کی صورت
حلقے میں اپنے رکھتے ہیں اشکالِ ہلالی سنگترے

آنچل سے رنگیں ہو کے کچھ چھپ چھپ کر کچھ کھل کھل کر
دوشیزوں کی دکھلاتے ہیں تصویرِ خیالی سنگترے

جس وقت کہ سایہ شاخوں کا سر سے اُنکے اُٹھ جاتا ہے
آوارہ در در پھرتے ہیں بے وارث والی سنگترے

قدرت کے مُنہ سے پڑھتے ہیں بازار میں آیۂ فضلنا
اک لذت پاش فصاحت سے ترہ بوز جمالی سنگترے

ہاتھوں میں عاشق کے آکر اک خاص ادا سے پھر پھر کر
کیا میٹھی میٹھی دیتے ہیں خوبوں کو گالی سنگترے

روشن ہے ان کی لذت سے اک خضر چھپے ہیں ظلمت میں
ہر قاش میں اپنی رکھتے ہیں امرت کی پیالی سنگترے

ہر شام و سحر جو سنتے ہیں چڑیوں کی صفیریں شاخوں پہ
پڑھواتے ہیں کیا کچھ مطلب سے اسمائے جمالی سنگترے

ہیں جھونکے لیتے ہواؤں کے اُٹھتی ہیں اُمنگیں رہ رہ کر
کب پتے سے پتے بجتے ہیں ہیں بجاتے تالی سنگترے

ہے باغ کہاں بازار ہے یہ پیڑ نہیں دُکانیں ہیں
ڈالی میں رکھ کر لائے ہیں قدرت کے مالی سنگترے

سونے کے گیند نگاہوں میں سورج کے اُچھلنے لگتے ہیں
جس وقت کہ آ بھر دیتے ہیں چاندی کی تھالی سنگترے

ہم آپ تو کیا ہیں اس جانب شاہوں کی نگاہیں مُڑتی ہیں
گویا ہیں نگاہیں قطب نما اور قطب شمالی سنگترے
گو آپ اذیّت سہتے ہیں مُنہ میٹھا سب کا کرتے ہیں
اس پردے میں سکھلاتے ہیں فن خندہ خصالی سنگترے
مضموں بناہی دیواں سے دیوان نکلتے آتے ہیں
دیوانِ زلالی قاشیں ہیں دیوان ہلالی سنگترے

قاشوں کی طرح سے جھک جھک کر سو منت اور سماجت سے
شہباز سے بھی لکھوائیں گے دیوانِ ہلالی سنگترے

نوروز کا نیا تحفہ

(سال نو کا نوطرز خیر مقدم)

آج کی تاریخ میں ہیں یاں اکھٹے تین نو
سال نو اور ماہِ نو اور روزِ عیش آگین نو
محفلے میں شوق کے دیں توبہ نو عشرت کی داد
چاہیئے جاری ہوں اس دم عیش کے آئین نو
نوجواں نو عمر نو نوخیز ہوں پہلو میں جمع
جن کی چینِ زلف میں لپٹے پڑے ہوں چین نو
سیں دہاں وہ دکھائیں سینِ چشم شوق کو
نکلے ہر دم سیں سے احسنت کے تحسین نو
خوش نوائی کا وہ عالم ہو کہ ہر اک تان پر
آن کر بیٹا ہوں میں چیخ اُٹھیں بین نو
جگمگاتے موتیوں کا سر سے پا تک ہو ہجوم
جو نیوں کے ہوں فلک پر کم سے کم پروین نو
دین عیسیٰ رُخ پہ صدقے دینِ موسیٰ زلف پہ
بلکہ ایسے ہوں تصدق ہر ادا پر دین نو
چشم کا فر گر بنائے ایک کو تو لام زلف
کھینچ لے اسلام میں اک آن میں لے دین نو
شہد ریزی پر ہو مائل جب کبھی یا قوت لب
صاف و خوشبو شہد سے بھر جائیں سیمیں ٹین نو
ایک بوسے کی طلب پر ڈیڑھ درجن لب بڑھیں
تا کہ لیں لب چٹا چٹ بوسہ شیرین نو
یوں دعا نکلے زباں سے خلق کا برتاؤ دیکھ
نہ فلک سے دیں سنائی عرش کو آمین نو

ڈیڑھ درجن ابرُوؤں میں تو تو ہوں قفبِ قتال
تو نگاہیں تو شدار و تو نگاہیں نیشتر

ہر نگہ کے ہاتھ میں اس طرح کی سنگین ہو
ڈیڑھ درجن چشمِ فتّاں قتل میں پھرتی دکھائیں

رحم کا جامہ پہنکر پھر بھی قتّال خلق
اپنے جب اعمال پر جاوے نظر لے اختیار

چشم لیکن بابِ رحمت کھولدے اک آن میں
نسق ہے جب دل کو نفرت ہو تو قاضی کو بلا

شوق کے عالم میں ہو پھر گر سواری کا خیال
آئیں جگ میں فلک تازی کی تیزی دیکھکر

ہو لطافت سے کبھی مصرع کوئی موزوں اگر
قصد لکھنے کا اگر اک شعر کے ہو طبع کو

کوئی صیغہ پوچھیں یہ پر ہم تو باب ضرب سے
الغرض محفل میں پھیلی ہو خوشی کی روشنی

دل بڑھائیں کہہ کے ہر دم آفریں تحسین نو
یعنی تو مضطر کریں گر آکے دیں تسکین نو

پیش آئیں معرکے سنگیں کو بھی سنگین نو
چشتیہ تولے کے دوڑیں قلب پر سکین نو

آنکر جھٹ پٹ کریں تجہیز تو تکفین نو
زلف کے ہر پیچ میں آئیں نظر سجّین نو

جس کے کھلتے ہی نظر آجائیں علیّین نو
ہوں مزیّن مہرِ شرعی سے وہیں کابین نو

رکھیں گھوڑوں پہ سے زینت سے زرّیں زین نو
ہر قدم پر دیں سنائی نعرۂ تحسین نو

چھوٹتے ہی اس پہ مصرعے شوخ ہوں تضمین نو
شعر موزوں ایک کی جا ہوں وہیں رنگین نو

ایک کی جا پہ بتائیں ازپئے تمرین نو
جلوہ گر ہو ہر در و دیوار سے تزئین نو

جس جگہ آئے نظر شہباز اس دل کا شکار
ناز و غمزہ کے لپٹ جائیں اسے شاہین نو

لہ دکن میں ایک آدھ کو ب ہوتا ہے ۱۲

مولانا شہباز کے آزادانہ خیالات

حضرت رمضان کا فوٹو

دو ہفتے سے گھر میں مرے وارد رمضاں ہیں
فرماتے ہیں ہم ایک سے دن بھر نہ پیو کھاؤ
حقّہ بھی پیئے کوئی تو لٹھ لے کے ہیں اُٹھتے
سُرمے سے خفا عطر سے ہیں ناک چڑھاتے
بیوی کو یہ شوہر سے چھڑاتے ہیں کڑک کر
آنے نہیں دیتے کبھی بوسوں کو لبوں تک
ہیں گال حسینوں کے دو مُرجھائے ہوئے پھول
وہ ہونٹ نزاکت سے جو خجلت دہ پاں تھے
نظارے کی جرأت نہیں پڑتی ہے نگہ کو
کاٹے نہیں کٹتے ہیں قیامت کے یہ دن ہیں
یہ شام نہیں آنکھوں میں چھایا ہے اندھیرا
ہے شام مہینوں ہی میں جا کر کہیں آتی
طاقت نہیں ہاتھوں میں کہ دانے کو اُٹھائیں
روزہ نہیں کھلتا ہے کسی قلعہ کا پھاٹک
ہیں سخت وضو کے لیے یاروں کے تقاضے
بے قید جو ہیں پیتے ہیں آزادی سے حقّہ
مسجد میں ہیں ترتیل و قراءت کے وہ جھگڑے

جھلّے یہ کچھ ایسے ہیں کہ سب ان سے بجاں ہیں
جوع اور عطش دو ہی شریعت کے نشاں ہیں
اور پان کے مِسّی کے تو یہ دشمنِ جاں ہیں
آثارِ غضب ناس سے بُشرے پہ عیاں ہیں
ہاں بیویوں پر اب تو حرام ان کے میاں ہیں
تنگ ان سے بہت تنگ دہانوں کے دہاں ہیں
گلزار کہاں حسن کے سب وقفِ خزاں ہیں
اب پیاس سے سو ٹکڑے وہی صورتِ پاں ہیں
جلّاد کی ترکیب سے حضرت نگراں ہیں
گھنٹے ہیں گراں کوہ، منٹ سنگِ گراں ہیں
خود شام کو جس پر شبِ یلدا کے گماں ہیں
سُنتے کہیں برسوں ہی میں مغرب کی اذاں ہیں
گو بھوک سے یوں چہرے پہ دس بیس دہاں ہیں
فاقے سے فقط جاں بلب انسانِ جہاں ہیں
حافظ جی سوئے مسجدِ ہمسایہ رواں ہیں
ہم دیکھتے حسرت کی نگاہوں سے دُھواں ہیں
آمین کی جا مقتدی کہتے الاماں ہیں

ہوتی ہی نہیں ختم کسی طرح سے رکعت
مغرب پہ تراویح کے یاروں کو گماں ہیں

مغرب ہی چلی جاتی ہی مغرب سے عشا تک
سن لیتے کبھی اس میں ہی مرغے کی اذاں ہیں

حقہ پئیں کیا خاک کہ مغرب سے عشا تک
حافظ جی سناتے ہمیں آیاتِ دخاں ہیں

حق تلخ ہی پکتے ہی نبتی ہی عزیزو
حقے کی طرح جتنے ہیں سرگرم فغاں ہیں

ہیں گھر میں خدا کے کہ وہ جا پہنچے خدا گنج
افیونیوں کا حال نہ پوچھو کہ کہاں ہیں

دکھلاتی ہی اعضا شکنی سنگِ فلاخن
انگڑائیاں ہاتھوں میں لیے تیر و کماں ہیں

انگڑائی کے مارے ہیں جمائی کے پچھاڑے
پھیلائے جو ہیں ہاتھ وہ کھولے جو دہاں ہیں

سمجھو نہ رکوع اس کو جھکے اور طرف یہ
سجدے کے بہانے یہ سوئے خاک رواں ہیں

مسجد سے جو آئے تو پھرے گھر سے خدا کے
الفاظ ہیں جو شکر کے سب وردِ زباں ہیں

غم خوار ہیں حیران کہ کھایا نہیں جاتا
ہرچند کہ انواعِ نعم زینتِ خواں ہیں

دو لقموں میں پھر گھر میں تراویح کا غل ہی
حافظ جی مصلّے کی طرف موئے کشاں ہیں

ہیں جان کی خاطر یہ نئی طرح کی دقت
اٹھنے میں ہیں گر تیر تو جھکنے میں کماں ہیں

حافظ نہیں ہی فوج کا افسر کوئی آگے
زخموں سے مگر چور ہیں جو زیر کماں ہیں

کیا جانیے کیا ہم سے ہوا جرم یہ سنگیں
کیوں چور کیے ڈالتے ہم کو رمضاں ہیں

شہباز یہ تحریمہ نہیں سینہ زنی ہی
ہرچند محرم نہیں ہم مرثیہ خواں ہیں

بھوک کا جلال

خدا کی یاد دلوں سے بھلا رہی ہی بھوک
ہر اہلِ فقر کو شیطاں بنا رہی ہی بھوک

ہر ایک عضو پہ نازل ہی اک عذاب الیم
ہمیں تو پیٹ میں دوزخ دکھا رہی ہی بھوک

ہوا زمانہ کہ تلیؔ کو چکھ گئی تل کر
کباب کر کے جگر اب تو کھا رہی ہی بھوک

جو پہلے پانوں میں تھا اب وہ سر میں ہی چکر
پھرے ہیں بخت، تو اب سر پھرا رہی ہی بھوک

لگا رہا ہی پڑا دل میں آگ دیپک راگ
جو بیٹھی کانوں میں ہمکو سنا رہی ہی بھوک

پڑی ہوئی ہی تزلزل میں کھوپڑی کی چھت
کڑی کڑی میں پڑی گھن لگا رہی ہی بھوک

ہمارے گوشت کی روئی دھنک کے رکھ دی بگی
نسوں کی تانت کماں پر چڑھا رہی ہی بھوک

ہماری آنکھوں میں چھایا سماں ہی آندھی کا
فضائے سر میں بگولے بنا رہی ہی بھوک

عجیب طرح کی لیتا ہی یہ کہ گوشت کو چھوڑ
ہر ایک عضو کی ہڈی چبا رہی ہی بھوک

تڑپ رہی ہی پڑی قلب میں نری بجلی
گھٹا کی طرح سے آنکھوں میں چھا رہی ہی بھوک

لئے ہی ہاتھ میں اک اضطراب کی مقراض
حواس و ہوش کے پرزے اڑا رہی ہی بھوک

جو دیکھو ان کے قارورہ صاف کرڈوا انیل
مثانے گردوں میں بھی رنگ لا رہی ہی بھوک

ہی انتڑیوں کو بھی اب درس قل ہو اللہ کا
نرالی ہمکو قرارت سنا رہی ہی بھوک

پڑے جو آنکھوں میں حلقے وہی ہیں حلقۂ گوش
غلام شاہ نگہ کو دکھا رہی ہی بھوک

مچی ہوئی ہی دھما چوکڑی قیامت کی
دل و دماغ میں اودھم مچا رہی ہی بھوک

کھلاؤ جیسے بنے ہو حرام چاہے حلال
تقاضے سخت ہیں اور جان کھا رہی ہی بھوک

ہی یہ خیال غلط سنسنا رہا ہی بدن
سموم بن کے پڑی سنسنا رہی ہی بھوک

اڑا نہ کان کے پردے مچا کے بھوک کا غل
کہ آپ اپنے یہاں ہوش اڑا رہی ہی بھوک

ہر اک زباں پہ ہی شہباز نغمہ فی النار
نکل کے پیٹ سے دوزخ کو جا رہی ہی بھوک

مولٰنا شہباز کے روشن خیالات

شبِ قدر

مشہور زمانے میں جوانی ہے دوانی ہے، بال پریشاں ہوں اگر، رات ڈرانی
پڑھ لکھ کے اگر قدر کچھ اس رات کی جانی لکھ رکھو یہی پھر ہے شبِ قدر کی ثانی
سرِ عرش ہے نجوم آنکھیں، نظر نور فشانی
ہر شب شبِ قدر است اگر قدر بدانی

ہیں میز پہ رکھی جو سیاہی کی دواتیں گر غور سے دیکھو تو ہیں سمٹی ہوئی راتیں
ان راتوں میں گر سیکھ لو تم علم کی باتیں ذاتیں ہیں تمہاری بھی فرشتوں ہی کی ذاتیں
پھر آنکھوں میں سب کی ہو تمھیں یوسفِ ثانی
ہر شب شبِ قدر است اگر قدر بدانی

اوراق کے صفحوں پہ کہاں کُحل کتابت اطباقِ سمٰوات پہ چھائی ہے یہ ظلمت
ہو قدر تو ہے صاف شبِ قدر کی حالت جھلکتے ہیں پڑے نخل گماں قعرِ جہالت
ہر بات ہے انواعِ سعادت کی نشانی
ہر شب شبِ قدر است اگر قدر بدانی

زلفیں وہ کسی دوش پہ ہیں مشک نہ عنبر راتیں برکت کی ہیں ستارے ہیں وہ زیور
جھکنے میں عقیدت سے کے ہیں سرِ دل کے صنوبر گر قدر ہو، عرفاں کے کھلے یاں بھی ہیں دفتر
افسوس ہے لیکن، سرِ مو قدر نجانی
ہر شب شبِ قدر است اگر قدر بدانی

رحمت کی نہیں شب ہے پہاڑوں کی سیاہی شبنم میں ہے تاروں کی چمک خواہی نخواہی
ہیں نخل جھکے یاں تو وہاں قلعہ شاہی سمجھو تو یہ سب دیتے ہیں قدرت کی گواہی

قدرت کی زباں کہتی ہے ما اعظم شانی
ہر شب شبِ قدر ست اگر قدر بدانی

ظلمات نہیں بحر کی یاں بھی ہے وہی شب — لہروں کی چمک جتنی ہے افلاک پہ کوکب
ساحل نہیں ہے غرقِ عرق رندوں کا مشرب — کرتے ہیں وضو پیڑ نہاتے ہیں مکاں سب
مصروفِ تلاوت ہے وہ پانی کی روانی
ہر شب شبِ قدر ست اگر قدر بدانی

گھنگور گھٹا چرخ پہ کب چھائی ہوئی ہے — بجلی یہ کہاں عدل کی نذر پائی ہوئی ہے
کب بادسے پیڑوں کی جبیں سائی ہوئی ہے — تاروں بھری ہے دن کو شبِ قدر آئی ہوئی ہے
گردن ہے کہیں فرضِ اطاعت کی جھکانی
ہر شب شبِ قدر ست اگر قدر بدانی

ہر وصل کی شب خواہ جدائی کی وہ ہو رات — دونوں میں ہیں خضر دکھا دیتے ہیں ظلمات
وہ جس سے کہ روشن ہو شبِ قدر کی آیات — اس چشمِ حقیقت کی بھی شہباز ہے کیا بات
پتلی نہیں اک نور کی ہے کحل فشانی
ہر شب شبِ قدر ست اگر قدر بدانی

حضرت شہباز کے رنگین خیالات

مسی

لال لب۔ اودی مسی سب رنگ اکٹھے ہو گئے
دیکھ کر یہ رنگ سب کے دانت کھٹے ہو گئے

بتاؤ۔ ہیں گلوں کی سُرنگیں نرگس مسّی کیا ہوں؟

مجھی سے مجلس حیراں مجھی سے مجلسیں حیراں

اُڑاتا ہے مجھے رڈ روڈ پہ فارس تبسّم کا

نہیں مدگا نٹھ بس کی۔ گرچہ ہوں میں گانٹھ سی بس کی

[illegible] دھنک ہیں۔ جوڑا ہے گو خاکستری میرا

نظر جس جس پہ جائے۔ آئی ہے وہ جیسے ہیں

مزے ہیں گدگدی ہیں۔ زمزمے ہیں۔ رنگ ہیں۔ بو ہیں

[illegible] اوّل ثانی و ثالث بھویں آنکھیں

[illegible] رابع۔ دونوں لب خاص

دہن کے قول ہیں [illegible] میں یہ تو روشن ہے

ہدایت سے مری بڑھتی ہیں فوجیں ناز و غمزے کی

مری چھنگلی تلے سارا سیاہی کا ہے آفس ہے

کبھی [illegible] کی ہیر کھائے، موتی سنگھیا چاٹے

قلم [illegible] ہیں [illegible] لاکھوں ایک جنبش میں

[illegible] سبز سی اک حُسن کی ڈگری

کسی [illegible] فروزی [illegible] فروشی پر

[illegible] شام ہوں یا شام اودھ میں [illegible] علیٰ ذلک

[illegible] انگلیں [illegible] اُڑائی ہوں

[illegible] لوں کی

[illegible]

لب سوسن سے پھولوں کے دہن تک کس سی میں کیا ہوں؟

ہر آئینے میں ہیں حیرانی مجلس سی میں کیا ہوں؟

عبیر افشاں سڑک پر مشک فارس سی ہوں کیا ہوں؟

نہیں [illegible] میں گو کڑوی کسیلی بس سی میں کیا ہوں؟

امیری رنگ ہیں ہر چند میں مفلس سی ہوں کیا ہوں؟

فدا کی حس ہیں [illegible] میں گو بے حس سی ہوں کیا ہوں؟

میں [illegible] ہر حس سی میں کیا ہوں؟

ہیں [illegible] خامس سی میں کیا ہوں؟

میں [illegible] خامس کی [illegible] لیے سادس سی میں کیا ہوں؟

مگر تم یہ بتاؤ عقلی ہوں یا حسّی ہوں کیا ہوں؟

ہے میری [illegible] آفس سی میں کیا ہوں؟

سیاہی میں [illegible] آفس سی میں کیا ہوں؟

مذاق رشک ہیں [illegible] سی میں کیا ہوں؟

قلمدان سخن [illegible] سی ہوں کیا ہوں؟

وگرنہ محکمے ہیں عشق کے ڈسمس سی میں کیا ہوں؟

کسیس [illegible] دل میں [illegible] سی میں کیا ہوں؟

اُدھر تفصیل اُدھر اجمال [illegible] سی میں کیا ہوں؟

دہن کے کورٹ [illegible] سی ہوں کیا ہوں؟

ولایت [illegible] سول [illegible] سی ہوں کیا ہوں؟

خدا جانے [illegible] سی ہوں کیا ہوں

لب سنگ کے پیارے ہاتھ سے رندوں میں بٹتی ہوں
ہر اک چٹکی پہ دو تو لعل لب ہاں بتیس لوں موتی
ہیرے نگیں لعل کی خاتم پہ مینا کاریاں میری
مصائب کا سماں ہے شام کی باتوں میں کھنچ جاتا
بھاتی لالہ موتی لال کو ہوں اپنے پہرے میں
کھڑی کر دیتی ہوں آنکھوں کے آگے پدمنی لا کر
جماتی ہوں بساطِ حسن پہ بتیس مہروں کو
سول سروس کلب ہے میرے گھر میں عشق بازوں کا
ہے عمل خاموش پھر بھی شہرہ لبوں آنکھوں آنکھوں میں
مرے آگے کسی کی تیز طراری چھپ نہیں سکتی
میں پھبتی سانپ کی کہتی ہوں انگشتِ شہادت پر
کبھی کانِ جواہر ہوں کبھی جوہر ہوں آہن کا
سبک کاری مری چھائی ہے نارنجی کے ہونٹوں پر
پڑا ہے مجھ پہ سایہ مس کا۔ گو بھاگیں وہ سائے سے
نہ میرا پاپا نیکی ہے۔ نہ میرا پاپا منکی ہے
برابر چومتے ہیں مجھکو آ کر گورے اور کالے

گز کی سی ہوں میں مرگی کو جلائے کٹلس سی ہوں کیا ہوں؟
نہایت قیمتی ہوں گرچہ پونڈ امس سی ہوں کیا ہوں؟
ڈلک ہیں گو نہ سونے کو نہ رنگیں مس سی ہوں کیا ہوں؟
مصیبت کے بیاں میں حضرت موسیٰ سی ہوں کیا ہوں؟
پہن کر کوٹ کالا اف صاحب پولس سی ہوں کیا ہوں؟
دمِ جادو نگاری شاعر جالبیس سی ہوں کیا ہوں؟
کلب میں عشق کے تفریح کو میں جس سی ہوں کیا ہوں؟
تکلف کے ڈنر دینے میں حاتم مس سی ہوں کیا ہوں؟
لبوں کے بیچ پردہ مصر عیا کس سی ہوں کیا ہوں؟
کہ تنور تاڑ لیتی ہوں فکی اکس سی ہوں کیا ہوں؟
زباں جس کی شرکت سے لبوں کی ہس سی ہوں کیا ہوں؟
ہملٹن سی کبھی ہوں اور کبھی اجس سی ہوں کیا ہوں؟
اٹھا سکتی نہیں سر شرم سے نا کس سی ہوں کیا ہوں؟
مسولینی سائے مس کی بدولت مس سی ہوں کیا ہوں؟
نہ گوری مس سی ہوں کیا ہوں منگالی مس سی ہوں کیا ہوں؟
نہیں گو کالی مس سی پھر بھی کالی مس سی ہوں کیا ہوں؟

پتا میرا یہ ہے شہبانہ ہوں زینت کی چیزوں میں
بتا دو عطر، مہندی، سرمہ، کاجل، مسی ہوں کیا ہوں؟

ترکیب بند مرثیہ سرسید احمد خاں مرحوم

از خیالات

مولوی عبد الغفور صاحب شہباز پروفیسر سائنس اورنگ آباد کالج

زمانے میں یہ غل ہے کس لیے شور و فغاں کیوں ہے
گلہ کیوں ہے شکایت کی لبوں پر داستاں کیوں ہے

فغاں و شور میں یوں رفتہ رفتہ کیوں ترقی ہے
تزلزل میں اثر سے اس کے کل ہندوستاں کیوں ہے

تحیر میں پڑے ہیں کس لیے دیوار و در یکسر
عیاں ہر ایک روزن سے نگاہِ خوں چکاں کیوں ہے

کروڑوں ہاتھ یوں ماتم کو کیوں اٹھتے ہیں سینے تک
ہماری قوم کے سینے میں مضطر آج جاں کیوں ہے

ہماری آہ میں آئی ہے کیوں یہ رعد کی قوت
ہمارے قلب میں بیتابیِ برقِ طپاں کیوں ہے

وہ ایسا کونسا گھر ہے لگی ہے آگ یہ جس میں
زمیں سے آسماں تک سر بسر پھیلا دھواں کیوں ہے

وہ ایسا کونسا خرمن ہے جس پر یہ گری بجلی
یہ بیتابی سے ہر خرمن میں دہقاں نوحہ خواں کیوں ہے

بہا کر لے گیا کس شہر کو سیلِ فنا آخر
یہ سیلِ گریہ اب ہر شہر میں طوفاں نشاں کیوں ہے

جہاز اپنا مسلسل کس لیے یوں ڈگمگاتا ہے
شکستہ کیوں ہے یوں لنگر پھٹا یوں بادباں کیوں ہے

مسلسل گریہ و زاری یہ کیوں ہے آبشاروں میں
تلاطم کیوں ہے دریا کو پہاڑ آتش فشاں کیوں ہے

گہن میں آ پڑے ہیں خود بخود یہ چاند سورج کیوں
یکایک اس طرح بگڑا قوامِ آسماں کیوں ہے

اندھیرا یاں سے واں تک کس لئے دنیا میں چھایا ہے
نقابِ شب میں دن کو منہ چھپائے یوں جہاں کیوں ہے

بلا یہ تو نظر آتی ہے ہر جنجال سے بڑھکر
گہن سے، کال سے، طاعون سے، بھونچال سے بڑھکر

سنا تم نے نہیں کیا، مر گئے سرسید احمد خاں
ستم تازہ یہ ہم پر کر گئے سرسید احمد خاں

وہ غم جو سر سے رستم کے اُٹھائے اُٹھ نہیں سکتا
کیا تھا رفتہ رفتہ دل کو اپنے غم سے کچھ خالی
ڈراسے سے بھلا وہ موت کے کب ڈرنے والے تھے
رہے بھی تو بہت مضطر رہے قومی مصیبت پر
بھرے اب کون دم اس کا ہے ٹیڑھی کھیر ہمدردی
تصدق اس محبت کے کہ اپنی قوم کے سر پہ
زمیں خود آج ہی زیرِ سما اس بات کی شاہد
کریں آنکھوں سے اپنی دیکھ کر عین الیقیں حاصل
ملے اس جوہرِ قابل کو شاید عرض کا موقع
بہشت آنجا کہ آزارے نباشد لوگ کہتے ہیں
پلا کر ایک جرعہ قومِ مردہ کو جلا سکتا

وہ اک کمزور سر پہ دھر گئے سید احمد خاں
اُسے پھر اپنے غم سے بھر گئے سید احمد خاں
ہماری بیکسی سے ڈر گئے سید احمد خاں
گئے بھی تو بہت مضطر گئے سید احمد خاں
یہ دم سیدھی طرح کچھ بھر گئے سید احمد خاں
تصدق دین و دنیا کر گئے سید احمد خاں
سما زیرِ زمیں بے زر گئے سید احمد خاں
خدا بخشے خدا کے گھر گئے سید احمد خاں
غرض بنکر سوئے جوہر گئے سید احمد خاں
مگر لے واں بھی دردِ سر گئے سید احمد خاں
یہ کہتے جانبِ کوثر گئے سید احمد خاں

وہ سید کہ جن کی دھوم تھی مشرق سے مغرب تک
وہ سید کہ جن کی دھاک تھی لندن سے یثرب تک

رکھیں گے قدسیوں کو غم سے یہ اپنے حزیں برسوں
نہ چھوڑیں گے وہ ہم کو دیکھنا حسرت سے مڑ مڑ کر
یہ مٹتے ہی مٹے گی دل سے اُن کے قوم کی الفت
نہ دیکھیں گی توجہ اُن کی جب اپنی طرف مطلق
کہیں مت میں جا کر دل پر ان کے فتنے پلے گی
نظر آئے گی ان کی آنکھ میں ڈستی ہوئی ناگن
دلا کر یاد اُجڑنا باغ کا قومی ترقی کے
اُٹھا بٹھلائے گی ہر بار قومی کام کی عادت

رہیگا زلزلے میں آہ سے عرشِ بریں برسوں
رہے گی قوم کی جانب نگاہِ واپسیں برسوں
رہے گا نقش یہ حسرت فزا زیبِ نگیں برسوں
رہیں گی وقفِ حیرت عشوہ پرور حورِ عیں برسوں
لگائیں گی نگاہِ حور و غلماں جب کمیں برسوں
بہشتی نہر میں موجِ شراب و انگبیں برسوں
خزاں کی طرح کھٹکے گی بہارِ یاسمیں برسوں
چڑھے اُترے گی سو بار اُن کی آستیں برسوں

ٹہلنا اُسکا قومی فکر میں جنت کے کمروں میں
دکھا کر آب و تاب اسٹفن کی نیلی سیاہی کی
سفارش قوم کی پھر جس گھڑی مدِّ نظر ہو گی
پھر آخر عود کی حسرت زندہ آواز سے ملکر

خرامِ ناز کی صورت رہیگا دلنشیں برسوں
بیاں حسرت کے لکھوائے گی زلفِ عنبریں برسوں
رہیگی اک ادا سے وقف سجدے میں جبیں برسوں
زمانے کو سنائی دے گی یہ صوتِ حزیں برسوں

”مجھے اے قوم تیرا ہجر اب ایسا ستاتا ہی
کہ دشمن بھی مرے احوال پر آنسو بہاتا ہی“

تحیر سب کو ہی یہ سین حیرت ریز جنت میں
ٹہلتا ہی عجائب شان سے کچھ سوچ میں اپنے
سلیقے سے کھلا ہی باغ میں تہذیب کے لالہ
ہوں تر رومال حوروں کے اگر قومی مصیبت پر
جدھر دیکھو اُدھر چھٹتے ہوں ہمدردی کے فوّارے
کمر قومی مدد پر باندھ لیں روحیں مقدس کل
ہوئے تھے جسقدر چھوٹے بڑے تکفیر کے فتوے
عجب کیا پاس اپنے خیر و برکت کے خطوط آئیں
چلا جاتا ہی کاغذ پہ نہ رُکتا ہی نہ تھمتا ہی
پسند اس کو ہی کب تنہا خوری اس کی بلا جانے
جدا ہوتی نہیں اسکی نظر سے قوم کی تشہیریں
جو قومی نجد کا بن پھر رہا ہی اُس کی آنکھوں میں

کہ گھس آیا کدھر سے آج ایک انگریز جنّت میں
لگائے بوٹ میں سونے کا ایک مہمیز جنّت میں
دلِ پُر داغ کی تصویر ہی یہ فیز جنّت میں
کھڑا ہو کر یہ دے اسپیچ آفت خیز جنّت میں
سنائے داستاں گمراہی درد آمیز جنّت میں
کرے تقریر قومی گریہ جوش انگیز جنّت میں
سب اسکی ستمگاری سے ہیں دست آویز جنّت میں
گھسیٹی اُس نے اک کُرسی لگی وہ میز جنت میں
قلم اسکا ہی بجلی سے زیادہ تیز جنّت میں
کہ تا گلستاں کہاں ہی کدھر فالیز جنّت میں
لقب اس کا پڑا ہی خسرو پرویز جنّت میں
یہ مجنوں کی طرح ہر دم ہی شور انگیز جنّت میں

قرار اصلا نہیں ہی عاشقِ بیمار کی صورت
شرارِ عشق سے ہی دل کی ایڈن جار کی صورت

وہ سر سید کہ جس کا سر نہ تھا، تھا عقل کا مخزن
وہ سر سید کہ جس کا دل نہ تھا، تھا خلق کا معدن

وہ سرسید کہ جس کی دوربیں پُرخوص آنکھوں میں
بصیرت کی شعاعوں سے تھیں دونوں پُتلیاں روشن

وہ سرسید برہمن آنکھ پر جس کو بٹھاتے تھے
سمجھ کر دیوتا تعلیم کا کرتے تھے سب درشن

وہ سرسید کہ جس کا ناطقہ بزمِ بلاغت میں
بجاتا تھا عجائب لکشان سے تقریر کا ارگن

شجاعت کی اگر تقریر کرتا تھا سلیقے سے
تو پیہم بولنے لگتا تھا میدانِ سخن میں رن

بتاتا تھا کبھی جب قوم کو مُردہ تو رقّت سے
بہا دیتا تھا دریا آنسوؤں کا بر سرِ مدفن

زباں چلتی تھی جیسے تیغ چلتی ہو سپاہی کی
کسی کا اُڑ گیا پہنچا کسی کی کٹ گئی گردن

قلم اُس کا بعینہ کام کرتا تھا کلمبس کا
کتاب اُس کی نئی دنیا خیالات اس کے امریکن

برابر دوڑتی رہتی تھی غور و فکر کی بجلی
کبھی نیویارک میں تڑپی کبھی چمکی وہ جا لندن

اسی سے داد پاتے تھے خیالاتِ معقّالی
اِدھر چاسر اُدھر کپلر اِدھر ملٹن اُدھر نیوٹن

مسلسل غُل سے کل رسمی سلاسل کر دئے ساقط
ہوئے آزاد شرعی طور سے مذہب کے افرین

وہ سرسید کہ جس کی نوکِ خامہ کے اشارے سے
سمٹتے ہی چلے آتے تھے دنیا بھر کے علم و فن

حدیث و فقہ و تفسیر و کلام و فلسفہ حکمت
حساب و جبر و اقلیدس طبیعی کیمیا ہیئت

وہ سرسید کہ جس کی زندگانی زندگانی تھی
حیات اُس کی ہماری زندگانی کی نشانی تھی

جسد میں قوم کے تھا جو بعینہ قلب کی صورت
بھلائی میں تمام اعضا کی جس کی جانفشانی تھی

وہ بھیجے کی طرح اعصاب زا تھا قوم کے سر میں
کہ جس سے جس کی از سر تا بہ پا ریشہ دوانی تھی

رگ و پے میں کبھی وہ دوڑتا تھا خون کی صورت
رواں پرور رواں آسا کبھی اُس کی روانی تھی

عیونِ قوم کی پتلی اُسی کی خوش نگاہی تھی
لسانِ قوم کی بولی اُسی کی خوش بیانی تھی

مچا رکھی تھی اُس نے ہند میں اک لوٹ چندے کی
بچا اُس کے تطاول سے نہ راجہ تھا نہ رانی تھی

گورنر ویسرائے اُس سے برابر رائے لیتے تھے
اُسے حکّامِ والا پر بھی حاصل حکمرانی تھی

اُسی کے دم سے سالانہ تھے علمی میہماں آتے
اُسی کے دم سے سالانہ وہ علمی میزبانی تھی

عیاں رہتا تھا پٹیل ٹاک سے تہذیب کا لہجہ
مہذب بذلہ سنجی تھی مہذب شعر خوانی تھی

خرد لب ریز تھی تحریک جام تندرستی کی
گلاسوں سے اُبلتی عقل ز اجاد و بیانی تھی

یہ وہ لوتھر تھا جس کو عقل کل تھی عیسیٔ دوراں
یہ وہ اکبر تھا جس کو صلح کل مریم زبانی تھی

وہ لفظوں کا شناور ہفت قلزم پار اُتر جاتا
وہ معنی کا سمندر جس کی مشکل تھاہ پانی تھی

اثر اعجاز کا تھا اُس کے درد انگیز نالے میں
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

نہ ہاری قوم ہمت، ہے یہ ہمت یادگار اُسکی
اگر ہے صبر ہے خود یہ مصیبت یادگار اُس کی

مناسب ہے کہ بن پوری عمارت صرف ہمت سے
کہ ہے کالج کی تا پوری عمارت یادگار اُس کی

رہے گی جب تلک اُردو زباں ہے ہند میں رائج
فصاحت یادگار اُسکی بلاغت یادگار اُس کی

نہیں آیا شریعت کوئی ثانی لے کے دنیا میں
شریعت میں رہے گی لیک جدّت یادگار اُس کی

پڑھانا چاہتا تھا رات دن اپنوں کو غیروں سے
رہیگی خویش و بیگانے میں غیرت یادگار اُس کی

ابھی تھا بو علی رازی ابھی تھا نیوٹن و کیپلر
رہیگی مدرسوں میں عقل و حکمت یادگار اُس کی۔

بنا کر قوم کو بُت اُس کی مسجد میں عبادت کی
رہیگی بت پرستوں میں یہ بدعت یادگار اُس کی

ظرافت میں بھی وہ کرتا تھا یاروں سے متیں باتیں
متانت میں رہے گی یہ ظرافت یادگار اُس کی

وہ کہہ دیتا تھا حق ہر چند موت اُس کو ڈراتی ہو
رہیگی موت کو بھی یہ جسارت یادگار اُس کی

فریقوں میں جو پڑتے تھے تفرقے جتنے مٹا ڈالے
یہ کل فرقوں میں ہے آپس کی ملت یادگار اُس کی

کیا تھا اُس نے پھر ایجاد اُس دینی اخوّت کو
رہیگی حسنِ ایجادِ اخوت یادگار اُس کی

دلوں سے اُسکے احساں کا تصوّر مٹ نہیں سکتا
یہی قائم رہیگی تا قیامت یادگار اُس کی

یہ کیا لازم کہ کچھ سنگیں سلوں کی یادگاریں ہوں
جہاں سینوں میں یوں نگیں دلوں کی یادگاریں ہوں

اگرچہ غم ہی ہے بار فرسا مگر اب غم سے کیا ہوگا
کرو اب صبر یارو نوحہ و ماتم سے کیا ہوگا

نہ اس سے دل کی کچھ تسکین نہ ٹھنڈک اس سے آنکھوں میں
درونِ نالہ پرور دیدۂ پرنم سے کیا ہوگا

لگاؤ زخم پر مرہم جو چاہو زخم اچھا ہو
لگانے سے جو بھاگو گے تو پھر مرہم سے کیا ہوگا

شفا چاہو تو ہیں اب بھی ہزاروں عیسیِ مریم
نہ چاہو جب کھتیں تو عیسیِ مریم سے کیا ہوگا

جو قومی کام کرنا ہے تو یہ کم ہمتی چھوڑو
زیادہ بھی یہاں کم ہے بھلا اس کم سے کیا ہوگا

ہمیں درہم ہی دو، ہم کو نہیں دینار کی خواہش
مگر دے تو چکو، پھر پوچھنا درہم سے کیا ہوگا

چمن وقتِ سحر ہر روز کیونکر جگمگا اٹھے
اگر پوچھا کریں گل قطرۂ شبنم سے کیا ہوگا

کبھی سچے ہاتھ پاؤں اُس کے تمھی سب کام کرتے تھے
غلط سمجھے ہو گر سمجھے ہو تم اب ہم سے کیا ہوگا

ہلاؤ ہاتھ پاؤں اپنے تمھی ہو وقت کے رستم
ہلائے گر نہ دست و پا تو پھر رستم سے کیا ہوگا

دکھا سکتے ہو اب بھی اپنی قدرت اہلِ عالم کو
مگر دل پر تو رکھو قدرت و عالم سے کیا ہوگا

یہاں ہے زر کی حاجت جس طرح دلواؤ جتنا دو
حصول اس مدرسے کو بحثِ کیف و کم سے کیا ہوگا

یہی ہے یادگار اُس کی، کرو کالج کو مستحکم
بنائے یادگارِ غیر مستحکم سے کیا ہوگا

عمارت علم کی ہے عرش تک اس کو اٹھا چھوڑو
مسلمانو، اسے تعلیم کا کعبہ بنا چھوڑو

زیادہ اب نہ دل میں قوم کے اعیاں پریشاں ہوں
مناسب ہے تلافی کے بھی اب کچھ جمع ساماں ہوں

نہ ہوں مایوس خوش ہوں آیۂ لاتقنطوا پڑھ کر
پڑی ہیں مشکلیں جتنی یقیں ہے سب وہ آساں ہوں

یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا کی ملکر شان دکھلائیں
مشید تاکہ اس قومی عمارت کے سب ارکاں ہوں

کدھر ہیں شبلیِ دانا کہاں ہیں حالیِ خوشگو
یہ ہے بجز تدارک، باغِ قومی میں غزلخواں ہوں

کدھر مشتاق ہیں مشتاق ہیں اُنکی بھی سب آنکھیں
کدھر محمود ہیں اُٹھا ہی محمود ودداں ہوں

کہاں ہیں آفتابِ علم مولنا نذیر احمد
شعاعِ عود سے وفائی شرقِ ہمدردی سے تاباں ہوں

سمیع اللہ خاں صاحب بھی آئیں گر وہ سنتے ہوں
کہ تسبیح صبح اُٹھ کھڑے تا مولوی مہدی علیخاں ہوں

یہ وہ دونوں ہیں جو تھے سید احمد خاں کے دو بازو
عجب کیا عالمِ علوی میں بھی وہ اُنپہ نازاں ہوں

بھلادی جائیں شایاں ہی گذشتہ سرگذشتیں کل
مضامینِ کہن زیبا ہی زیبِ طاقِ نسیاں ہوں
اکھاڑے میں عمل کے انتظامی زور دکھلائیں
بڑھیں میدان میں علمی قدم سے گرمِ جولاں ہوں
کریں چندے فراہم اس طرح دامن میں ہوں ان کے
گرہ میں جسقدر خورشید کے لعلِ بدخشاں ہوں
ہو یونیورسٹی چندے سے پھر اس شان کی قائم
کہ یورپ کے بھی سب جس سے دبے قومی دبستاں ہوں

علی گڑھ میں جو دار العلم کی برپا عمارت ہو
ولایت ہند کی بھی کیا عجب شانِ ولایت ہو

قوی سے فعل کے عالم میں گر یہ یادگار آئے
مبارکباد کو دوڑا ہوا خود روزگار آئے
خزاں آئی ہوئی پھر جائے دروازے سے گلشن کے
نکالے ابر کا گھونگھٹ چمن میں پھر بہار آئے
گلے میں ہر شجر کے ہو پڑی پھولوں کی اک بدّھی
چمن میں آئے جو بوٹا لیے پھولوں کا ہار آئے
لپٹ پھولوں کی جائے آسماں تک کیاری کیاری سے
پھلوں کے بوجھ سے جھک کر زمیں تک شاخسار آئے
نظر جس پیڑ پر ڈالیں دکھائے قد وہ بوٹا سا
نگہ جس پھول پر جائے نظر وہ گلعذار آئے
نئی سرسبزیوں سے شاخ پر ہو جلوہ گر طوطی
ہزاروں خوبیوں سے کان میں صوتِ ہزار آئے
چمن میں میکدے کھل جائیں عقل و ہوشیاری کے
جہاں انساں اگر بیہوش جائے ہوشیار آئے
وہ مے ہو جس کے ہر جرعے سے تقویٰ کو طہارت ہو
وہ جرعہ ہو حرم میں جس کا زاہد جرعہ خوار آئے
ہو مستی پر نہ وہ ہو سر سے جس کے دردِ سر چمٹا
نشہ ہو پر نہ وہ لپٹا ہوا جس سے خمار آئے
یہی جنّت وہ ہی جس میں کہ خوش ہو روح سر سیّد
یہیں ٹھیرے تو اُس کے قلبِ مضطر کو قرار آئے
نہ ہو شاداب اُمّت کی ترقی کا چمن جب تک
پسند اُس کو کہاں جنت کا باغ خوش بہار آئے
رکی جب اس چمن میں ہو ہوا قومی ترقی کی
تو پھر اُس باغ میں کیونکر نسیم خوش گوار آئے

اگر ہی قوم کو راحت تو سیّد کو بھی راحت ہی
یہاں بھی اُس کو جنّت ہی وہاں بھی اُسکو جنّت ہی

الٰہی سیّد احمد خاں کو بزمِ خاص میں جا دے
تجلی گاہِ قدرت کا تماشا اُس کو دکھلا دے

بساطِ قرب پر تو اُس کو ماذون الشفاعۃ کر
عطائے خاص سے ہمت میں اُس کی زور اتنا دے

وہی ہو جائے جو چاہے وہ اپنی قوم کی خاطر
خزانوں سے تری رحمت کے جو چاہے وہ دلوا دے

جگا دے اُنکو جو ہوں خوابِ غفلت میں پڑے سوتے
جو بیٹھے اونگھتے ہوں کاہلی سے اُنکو چونکا دے

اگر ہوں ڈوبتے منجدھار میں بٹھلا دے ساحل پر
بھٹکتے ہوں اگر میدان میں منزل پہ پہنچا دے

نہیں وہ چاہتا شاخیں جھکا دے سیبِ رُمّاں کی
نہیں وہ چاہتا شیرہ عنب کا منہ میں ٹپکا دے

نہیں وہ چاہتا لحاظر باغ کی گزک آگے
نہیں وہ چاہتا شہد و لبن جنت جام چھلکا دے

نہیں وہ چاہتا آنکھوں کے آگے حور کا جلوا
وہ بجلی جو تڑپ کر قلب کو سینے میں تڑپا دے

نہیں وہ چاہتا خدمت کو ہر دم نازنیں غلماں
کہ جن کے عارضِ رنگیں کو رغبت بڑھ کے بوسا دے

وہ عاشق قوم کا ہے قوم کو اُسکی وہ دے دولت
کہ جو دونوں جہاں میں لے سکے اُس کا بٹھلا دے

وہ شیدا ملک کا ہے ملک کو اُس کے وہ دے ثروت
کہ یکساں جو پُرانی اور نئی دنیا کو چکرا دے

جہاں ہیں عاشقانِ قوم اُس جا اُسکو دے کُرسی
یہ کیا لازم کہ واں بھی صحبتِ ناجنس ایذا دے

دکھا حوروں کے جھرمٹ میں نزول باغ و چمن اُس کو
الٰہی عاشقوں میں تو بنا صدرِ انجمن اُس کو

پروفیسر شہباز کے خوش طرز مدحت طرازانہ خیالات

(مناظرۂ ابر و بحر)

ابر و بحر آورد گوہر زا صدف
گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

(۱) تمہید

ٹھنڈی ٹھنڈی چمنِ دہر میں چلتی ہے ہوا
ہو مبارک کہ ہے ختم ہوئی جون آیا

مطلع مین پہ خوبی سے نمایاں ہے سہیل
خوب برسات کا ہے اب تو ستارہ چمکا

روشنی چاند ہی کی سامنے اس کے نہیں ماند
نظر آتا ہمیں سورج بھی ہی دھندلا دھندلا

ایک قطرہ بحر نہیں پر ہی فلک پر ہی ابر
گر نظر ہو تو ہی دلچسپ تقبطر دُنیا

گر ادھر بحر کی رگ رگ میں جوانی کا ہی جوش
تو اُدھر ابر کا جوبن بھی ہی اُمڈا اُمڈا

بحر غصّے میں نہ کیوں رعد کی صورت گرجے
ابر غصّے میں اگر برق کی صورت لپکا

خشمگیں یہ ہی، تو ہیں اُس کے بھی تیکھے تیور
بحر کے مُنہ پہ ہی کف ابر ہی نیلا پیلا

مُنہ اندھیرے سے لڑائی ہی بلا کی قائم
رات کے بھی تو چکارے نہیں جھگڑا چکتا

(۲) مناظرہ

ابر کہتا ہی چڑھے، تو بھی ہوں تجھ سے بڑھکر
بحر کہتا ہی بڑھے، تو بھی وہی تو ہی گھٹا

ابر کہتا ہی کہ مٹھی میں ہی میری ندّی
بحر کہتا ہی کہ قبضے میں ہی میرے مونگا

ابر کہتا ہی کہ دامن میں ہی میرے موتی
بحر کہتا ہی کہ پاکٹ میں ہی میرے مونگا

ابر کہتا ہی کہ خوش رنگ ہی میرا نیلم
بحر کہتا ہی کہ خوش آب ہی میرا ہیرا

ابر کہتا ہی کہ بارش ہی مری گوہر پاش
بحر کہتا ہی کہ ریزش ہی مری گوہر زا

ابر کہتا ہی میں ہوں نامیہ کی نام و نمود
بحر کہتا ہی میں ہوں نامیہ کی نشو و نما

ابر کہتا ہی کہ سرسبز ہی مجھ سے جنگل
بحر کہتا ہی کہ سیراب ہی مجھ سے صحرا

ابر کہتا ہی کہ دھرتی پہ ہی میری کھیتی
بحر کہتا ہی کہ کھیتوں میں ہی میرا غلّا

ابر کہتا ہی کہ ٹٹی پہ ہیں میری بیلیں
بحر کہتا ہی کہ بیلوں میں ہی میرا گچھا

ابر کہتا ہی کہ صہبا ہوں، جو چاہے میکش
بحر کہتا ہی کہ امرت ہوں، جو مانگے پیاسا

ابر کہتا ہی میں آنکھوں میں نشے کا ہوں عروج
بحر کہتا ہی میں آنکھوں میں ہوں خودمری کی نشا

ابر کہتا ہی میں کاجل ہوں بصارت افروز
بحر کہتا ہی میں سُرمہ ہوں بصیرت افزا

ابر کہتا ہی کہ مجھ سے ہی یہ سُنبل مشکیں
بحر کہتا ہی کہ مجھ سے ہی یہ نرگس شہلا

ابر کہتا ہی کہ مجھ سے ہی گُل لالہ لال
بحر کہتا ہی، ہی مجھ سے گُل سوسن گویا

ابر کہتا ہے پھلی کی ہے مجھی سے تسبیح
بحر کہتا ہے پھلوں کا ہے مجھی سے سُبحا

ابر کہتا ہے کہ منہ میں میں ہوں کلیوں کے زباں
بحر کہتا ہے ہوں کانوں میں میں پھلوں کے صدا

ابر کہتا ہے سُبک بار ہے میرا ہاتھی
بحر کہتا ہے سُبک سیر ہے میرا گھوڑا

ابر کہتا ہے کہ ہوں سائرِ سیروا فی الارض
بحر کہتا ہے کہ ہوں عابر کُن فی الدنیا

ابر کہتا ہے تو پابند ہے میں ہوں آزاد
بحر کہتا ہے گر آزاد ہو پابند ہو لی

ابر کہتا ہے کہ اعلیٰ ہوں میں تو ہے اسفل
بحر کہتا ہے تواضع سے ہے اسفل اعلےٰ

ابر کہتا ہے کہ پوتا میں ہوں دادا خورشید
بحر کہتا ہے کہ میں باپ ہوں تو ہے بیٹا

ابر کہتا ہے کہ ہے باپ سے بیٹا بہتر
بحر کہتا ہے کہ دادا سے ہے بہتر بادا

ابر کہتا ہے سلیماں کو میں ہوں تخت نموں
بحر کہتا ہے میں جمشید کو ہوں جام نما

ابر کہتا ہے ملا برق سے گنجینۂ زر
بحر کہتا ہے لگا رعد کا بھی ہے دھڑکا

ابر کہتا ہے کہ لے رعد کی آئیں توپیں
بحر کہتا ہے تو لڑکوں کو پٹاخوں سے ڈرا

ابر کہتا ہے یہ لے برق کی نکلیں تمغیں
بحر کہتا ہے تو بچّوں کو تماشا دکھلا

ابر کہتا ہے اُگلنے کو ہے گرداب لہو
بحر کہتا ہے نگلنے میں ہے گرداب بلا

ابر کہتا ہے تو بس خاک سے پیٹ اپنا بھر
بحر کہتا ہے جیا چاہے تو جی پی کے ہوا

ابر کہتا ہے کروں گا تجھے پانی پانی
بحر کہتا ہے کروں گا تجھے قطرا قطرا

ابر کہتا ہے اُڑا دوں ترے دم میں دھوئیں
بحر کہتا ہے جُھکا دوں گا تجھے دم میں کُوا

ابر کہتا ہے نہ کر مجھ سے زیادہ بڑبڑ
بحر کہتا ہے کہ بس بس نہ زیادہ ٹرّا

ابر کہتا ہے کہ شاید تری موت آئی ہے
بحر کہتا ہے کہ معلوم ہے، چل چل، ابے جا

ابر کہتا ہے کہ پچنے سے مرے ڈرتا رہ
بحر کہتا ہے کہ خورشید کا پھیروں پنجا

ابر کہتا ہے لے اب اپنی خبر گردن کی
بحر کہتا ہے لے اب جان کی خیر اپنی منا

ابر کہتا ہے لے چت ہو گیا اب جان تو چھوڑ
بحر کہتا ہے تعلّی سے تو کر لے توبا

ابر کہتا ہے کہ ہے جوشِ ندامت کیا کم
بحر کہتا ہے ندامت ہے تو ہیں نے بخشا

ابر کہتا ہے کہ دھوکے سے گرایا تو نے
بحر کہتا ہے نیا تو نے یہ کھایا دھوکا

ابر کہتا ہے کہ اب تو نہیں ہوتا میں زیر
بحر کہتا ہے کہ چل جا، ابے جا جا، ابے جا

ابر کہتا ہے کہ جاؤں گا تجھے چت کر کے
بحر کہتا ہے کہ کچھ دیر ہوا کھا کے آ

ابر کہتا ہے کہ شیروں کو ہوا سے کیا کام
بحر کہتا ہے کہ گر شیر بھی ہے دُم کو دبا

ابر کہتا ہے کہ بیہودہ نہ کر یوں تقریر
بحر کہتا ہے یہ ہے شیخیٔ بے جا کی سزا

ابر کہتا ہے کہ شیخی ہے دلیل ہمت
بحر کہتا ہے کہ شیخی ہے شعارِ حمقا

ابر کہتا ہے کہ بُزدل نہیں شیخی کرتے
بحر کہتا ہے کہ ڈرپوک ہے شیخی خورا

ابر کہتا ہے کہ ہم تو نہیں تجھ سے ڈرتے
بحر کہتا ہے کہ دل میں تو ہے بیشک ڈرتا

ابر کہتا ہے کہ دل غیب ہے تو کیا جانے؟
بحر کہتا ہے فراست سے ہے جانا جاتا

ابر کہتا ہے کہ اللہ رے فراست تیری
بحر کہتا ہے کہ اللہ رے تبختر تیرا

ابر کہتا ہے تبختر ہے یہ رفعت کی دلیل
بحر کہتا ہے تبختر ہے یہ پستی پہ جُھکا

ابر کہتا ہے کہ پست کسی کی ہمّت
بحر کہتا ہے کہ ہمّت ہے تو پستی پہ نہ آ

ابر کہتا ہے کہ اک فتح پہ اتنا مت پھول
بحر کہتا ہے کہ بے فتح نہ اِتنا اِترا

ابر کہتا ہے کہ کیا فتح نہ ہو گی حاصل؟
بحر کہتا ہے کہ جب تک نہ ہو سچّا دعوی

ابر کہتا ہے کہ کیا ایک ہے سچّا تو ہی
بحر کہتا ہے کہ سچّوں کا ہوں عاشق سچّا

ابر کہتا ہے تو عاشق ہے تو ہو گا مجنوں
بحر کہتا ہے بُرا کیا ہے ملے گر لیلےٰ

ابر کہتا ہے کہ اے نافہ لیلی میں ہوں
بحر کہتا ہے رخِ یار سے پردہ تو ہٹا

ابر کہتا ہے کہ لیلی نہیں تجھ سے راضی
بحر کہتا ہے شتر غمزوں سے ناحق نہ ستا

ابر کہتا ہی کہ انعام تو دلوا پہلے — بحر کہتا ہی کہ نقد دل و جاں تک لے جا
ابر کہتا ہی کف حاتم طائی تو نہیں — بحر کہتا ہی میں ہوں دست و نثار الامرا

(۳) مدح

وہ امیر ابن امیر ابن امیر ابن امیر — وہ رئیس ابن رئیس ابن رئیس الرؤسا
رونقیں جس کی امارت میں ہیں جنت جنت — خوبیاں جس کی ریاست میں ہیں طوبیٰ طوبیٰ
رائے سے اسکی ہزاروں ہیں فلاطوں ظاہر — عقل سے اسکی کروروں ہیں ارسطو پیدا
ہی سکندر مگر اس کو ہی ملی خضر کی عمر — کیا ہی چشموں سے ابلتا ہی پڑا آب بقا
جلوہ آرا ہیں خیالات کے لاکھوں ممبر — اور آرا کے کروروں ہی ہیں مجلس آرا
فکر کہتے ہیں جسے ہیں عقلا کے زمرے — ذکر کہتے ہیں جسے ہیں طبقات فصحا
عقل کل عقل نے بس اس کے بطوں میں پائی — کہ دماغ اس کا ہی ہر ایک فلک سے اعلیٰ
علم نے اس کی جبیں پہ ہی بچھائی کرسی — وہ دماغ ہمہ داں عرش خرد ہی بخدا
دیکھ کر عقل کا عرش اور خرد کی کرسی — ملکی خلق کے کرتے ہیں ملائک سجدا
خلق سے اس کے ملک سیکھتے ہیں عادت نیک — عقل کو اسکی ہیں الہام سمجھتے عقلا
اس کی تقریر سے ظاہر ہی بلاغت کی شکوہ — اس کی تدبیر پہ قائم ہی تمدن کی بنا
عہد میں اس کے کچھ اس درجہ ہی راحت پھیلی — گل کے بھی دل میں نہیں خار کا باقی کھٹکا
گدگدی جان کے بیساختہ ہنس دیتا ہی — چھیڑتا پھول کو بھولے سے اگر ہی کانٹا
تیغ تنبیہ ہی چوروں کے لیے قطع النسل — نام باقی نہیں دنیا میں کہیں چوری کا
زخم سے چور شفاخانوں میں ہی زخم کا چور — حسن کے گھر میں ہی آغشتہ بخوں دزد حنا
شمع کا چور ہی حسرت کے بہاتا آنسو — آنے والا ہی کوئی دم میں فنا کا جھونکا
نکتہ چیں بن کے نظر جاتی ہی جس صیغے پہ — پاتی صحت سے قریں اس کا ہی لفظاً لفظاً
گر عہد السن پہ نظر کیجیے انصاف یہ ہی — گرد کو اسکی پہنچتا نہیں عدل کسریٰ

دستِ قاضی میں قلم ہی کہ یہ میزان العدل — فیصلہ ہی کہ ترازو میں عمل ہی تُلتا

گر عمل نیک ہی آدھے کی جزا ہی پوری — گر عمل بد ہی تو تھوڑے کی ہی تھوڑی ہی سزا

کوتوالی کو جو دیکھو ہی نگہباں کی نظر — ہر نظر کرتی ہی یاں کام نگہبانی کا

ہیں جو عمّال جتنے نہیں اُن میں شیخت مطلق — ہیں امین جتنے نہیں اُن میں خیانت اصلا

بخت کی طرح شب و روز ہی ناظم بیدار — موت سے باندھ کے اب شرط ہی فتنہ سویا

کوئی ٹکسال ہی کہتے ہیں جسے تعلیمات — کہ کھٹا کھٹ ہی ہر اک علم کا سکّہ ڈھلتا

دلکشا شہر میں حکمت کے مدارس یہ نہیں — جن کے ہر کوچے میں آباد ہیں یکسر حکما

علم کو ہی وہ ترقی کہ خوشی کے مارے — اپنے جامے میں سماتے نہیں پھولے علما

بچّے بچّے کو ہی قدرت کہ وہ کردے ثابت — آب کی طرح مُرکّب نہ کہ عنصر ہی ہوا

کرلیں گھر بیٹھے ہوے سیر یہ دُنیا بھر کی — کہ ہی جغرافئے سے نہ یہ قدم امریکا

باندھ دے کیوں نہ عمارات کا پل تعمیرات — ہی بڑے جوش پہ انجنیری کا دریا

معدنیات جسے کہتے ہیں ہی وہ کامل — کیمیا کا جسے معلوم ہی سچ مُچ نسخا

کانیں لوہے کی ہیں لوہے سے بناتی چاندی — کانیں کوئلے کی ہیں کوئلے سے بناتی ہیرا

جس طرف دیکھیے ہی راہ تجارت کی کھُلی — جس طرف جائیے ہی کام سیاحت کا روا

مرغِ دولت طمع دانہ میں کیونکر نہ پھنسے — دام سڑکوں کا ہی ہر سمت زمیں پر پھیلا

ہاں ہیں چار طرف دوڑ رہی ہیں ریلیں — انجنوں کے ہی بھری سر میں ترقی کی ہوا

تار برقی نہ کہو اس کو یہ ہی روحِ امیں — سمجھو پیغام نہ اس کو یہ ہی وحیٌ یوحیٰ

ڈاک خانوں میں اُترتے ہیں صحیفے شب و روز — ڈاک والوں کی زباں پر ہی چڑھا نزّلنا

قصہ کوتاہ ہیں اوصاف اضافی بھی بہت — وصف ذاتی ہیں مگر وصف اضافی سے سوا

آؤ ممدوح کا تخیئل سے فوٹو کھینچیں
نہ ہو فُل سائز تو ہو بسٹ نہیں تو چہرا

(۴) چہرا

زلف کا اُس کے نہیں سر پہ جبیں کے سایا
لپٹی ہی صبح سعادت سے مسرت کی سما

ہیں بھنویں اُس کی کہ دو ترک لیے ہیں شمشیر
اُس کی آنکھیں ہیں کہ دو مست لیے ہیں مینا

کان سرگوشیاں کرتے ہیں گلِ مضموں سے
ہیں بھرے جسمیں بہ پیرایۂ خوشبو معنیٰ

اُس کی بینی کہ ہی خود بینیوں سے یکسر پاک
کارڈ ہی جس پہ کہ فوٹو ہی کھنچا غیرت کا

دونوں رُخ آتے ہیں عزت کے ہر اک رُخ سے نظر
ہی مصوّر نے نئے رُخ سے یہ فوٹو کھینچا

مونچھیں ہاتھوں میں لیے اپنے ہیں دو دو خنجر
جگر و دل کی نہیں خیر ہی بھاگیں اعدا

ہی ذقن صاف کہ آئینۂ اسکندر ہی
ایسے آئینہ میں کب بال بھلا ہی زیبا

سامنے آئے تو مُنھ پر ابھی سُرخی چھا جائے
اپنا مُنھ دیکھ کے سیب آپ ہی جائے شرما

موئے عارض نہیں ہیں روم میں زنگی فوجیں
ہونے والا ہی شامِ حلب پر دھاوا

دولت آباد پہ یا عزمِ علاء الدّیں ہی
دستِ کافور میں ہی فتح و ظفر کا جھنڈا

(۵) دعا

وصفِ ممدوح کو درکار ہی فرصت شہباز
اور فرصت ہی یہاں اپنے حسابوں عنقا

پس مناسب ہی کروں فکرِ دعائے دستور
ہاتھ اُٹھا کر کہ ہی ٹھیرا یوں ہی دستورِ دعا

جب تلک قصرِ حکومت میں ہی دولت کی کنیز
جب تلک اوجِ سعادت پہ ہی اقبالِ ہما

یا الٰہی یوں ہی دولت رہے قدموں سے لگی
رہے اقبال کا یارب یوں ہی سر پہ سایا

پروفیسر شہباز کے جرِّ ثقیل در جلو خیالات

ریل

ہم نے دیکھی ہی عجب طرح کی اونٹوں کی قطار
ہمسفر میلوں کی ہی ہر وقت وہ باہم ہی ملاپ
پہنچتے ٹھیک نشانے پہ ہیں غلّوں کی طرح
[illegible] پانی سے یہ چڑھ جاتے ہیں ہر چوٹی پہ
پیتے پانی ہیں فقط کھاتے ہیں لکڑی کوئلا
جلتے ہی نہیں یہ، کہتے ہیں تھکنا کس کو
سختیاں کوہ کی بے عذر یہ کرلیں برداشت

ہیں پہاڑوں پہ یہ ریچھ اور ہیں میداں میں ہرن
لدکے جاتی ہی انھیں پہ تو ولایت کی ڈاک
جانور ہیں، ہی مگر ان پہ عیاں جرِّ ثقیل
بحرِ زخّار میں ہیں ان کے ہنر کے قائل
ان کے چلنے سے ہی سونے کو بہانا ملتا
سنتے ہی نغمے کہ ہیں دنیا کی طنابیں کھنچتی
ان سے بازارِ تجارت میں ہی ہر میل کی جنس

ناک ہر ایک کی لوہے کی ہی، لوہے کی نکیل
دیکھو میل کو آنکھوں سے کچھ اس درجہ ہی میل
دونوں ہاتھوں سے اُفق جبکہ چلاتا ہی غلیل
باغ صنعت میں انھیں کی ہی منڈھے چڑھتی بیل
کبھی مالش کے لیے مانگتے ہیں تھوڑا تیل
کھیل ہی ان کو شب و روز کی بھی گر ہو دلیل
لیں یہ بے چینِ جبیں دشت کی تکلیفیں جھیل
صاف گھڑیال ہیں دریا میں جو دیں ان کو دھکیل
لپکے آتا ہی انھیں پہ تو ولایت کا میل
عملی شاخ میں اسکی یہ کہیں بھی نہوں فیل
شمع افروز شبستان شناسی و ہیل
چلتے میں کس نے کہا اونگتے کو دیتے ہیں ٹھیل
ہی تماشا کہ انھیں وہ بھی ہی اک ادنےٰ کھیل
ان سے ہوٹل میں سیاحت کے ہی ہر جنس کا میل

سارباں ہی نہ شترخانہ نہ اونٹوں کی قطار
فکرِ شہباز کی گھر گھر ہی چلائی ہوئی ریل

پروفیسر شہباز کے تہنیت آمیز خیالات

۱۵۹ء

نظام دکن کی سالگرہ

چمن میں نخلِ چمن ہے چمن کی سالگرہ — ختن میں مشکِ ختن ہے ختن کی سالگرہ
عدن میں دُرِّ عدن ہے عدن کی سالگرہ — یمن میں لعلِ یمن ہے یمن کی سالگرہ

مگر ہے ایسی کہاں سُبھ لگن کی سالگرہ
ہے جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

سپر میں پھول ہے تیغِ دودم کی سالگرہ — ہلال میں ہے ستارہ علم کی سالگرہ
کمند میں ہے گرہ پیچ و خم کی سالگرہ — کماں کے دل میں ہے پیکانِ ستم کی سالگرہ

مگر ہے ایسی کہاں سُبھ لگن کی سالگرہ
ہے جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

ہے مشتِ غنچہ میں زر برگ تر کی سالگرہ — ہے غنچہ نامیہ بارور کی سالگرہ
ثمر ہے شاخ پہ شاخِ شجر کی سالگرہ — ثمر میں تخمِ ثمر ہے ثمر کی سالگرہ

مگر ہے ایسی کہاں سُبھ لگن کی سالگرہ
ہے جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

جو سر ہے دوش پہ دانش ہنر کی سالگرہ — ہے آنکھ چہرے پہ دانش کے سر کی سالگرہ
ہے پُتلی آنکھ میں نورِ نظر کی سالگرہ — نظر میں نور ہے لختِ جگر کی سالگرہ

مگر ہے ایسی کہاں سُبھ لگن کی سالگرہ
ہے جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

دلوں میں اُن کے جو ہے ناز کا خیال گرہ — بھنوؤں میں ڈالتے ہیں شوخ خوش جمال گرہ

ادا سے موتی تو پرو دی ہی بال بال گرہ
کہ ناز و عشوہ کی (یہاں) دھوم سے ہو سالگرہ

مگر ہی ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ
ہی جیسی آج نظام دکن کی سالگرہ

ہی زلف سالگرہ منہ پہ ماہ پاروں کی
ہی خال سالگرہ گال پر عذاروں کی
ہی ماہ سالگرہ رات کو ستاروں کی
ہی مہر سالگرہ دن کو چاند تاروں کی

مگر ہی ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ
ہی جیسی آج نظام دکن کی سالگرہ

سمائیں جامے میں معشوق کس طرح پھولے
حباب نور کے دو بحر حسن میں اُبھرے
کھُلا یہ عقدہ جو بچے تھے دو برس پہلے
ہی اُن کی سالگرہ جبر سے جوان ہوے

مگر ہی ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ
ہی جیسی آج نظام دکن کی سالگرہ

اذاں پکار دی ہر سو خدائے واحد کی
کہ جس سے کھُل گئیں باچھیں ہی شیخ و زاہد کی
جھلک وضو نے دکھائی شراب و شاہد کی
منائی سالگرہ گنبدوں نے مسجد کی

مگر ہی ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ
ہی جیسی آج نظام دکن کی سالگرہ

خدا کی شیخ نے جب سال بھر عبادت کی
دکھائی گھٹے سے سجدوں نے زیب طاعت کی
جبیں پہ پھیلے نہ کیوں روشنی سعادت کی
کہ آئی سالگرہ شیخ کی ریاضت کی

مگر ہی ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ
ہی جیسی آج نظام دکن کی سالگرہ

ہی دست شیخ میں تسبیح وہ جو اک رنگیں
کلابتون سے ہی جس کی ریشمی تزئیں
ہی کہتی شیخ سے ہر پھر کے با لب لعلیں
ہی گرچہ سالگرہ تیری ایک سو دسویں

مگر ہی ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ
ہی جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

وہ ٹہنی جس پہ کہ بلبلیں ہیں مثل گیسوئے حور — ہی بیٹھی جس میں شرابی ہیں کل نشے میں چور
نشے میں آکے وہ کہتے ہیں یوں ز راہِ سرور — چمن میں سالگرہ دخترِ رز کی ہی انگور

مگر ہی ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ
ہی جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

پڑی کہیں جو گرہ ایک نَے شکر کی ہی — گلاب میں کسی رسیلے نے کے تر کی ہی
پہ پوسٹ شیریں کلامی سے سال بھر کی ہی — کہ صاف سالگرہ قند کی شکر کی ہی

مگر ہی ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ
ہی جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

ہی شہر میں وہ جو مشہور سال کی لکڑی ہی — ہر ایک سال نئی اُس میں ہی گرہ پڑتی
اسی گرہ سے تو پہنچتی ہی جنگلوں میں خوشی — کہ سال سالگرہ ہی گرہ سے جنگل کی

مگر ہی ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ
ہی جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

بھنور کے دیکھو اگر خط و خال گرہیں ہیں — یہ زلف موج نہیں بال بال گرہیں ہیں
جو سطح آب پہ پھیلائے جال گرہیں ہیں — نہیں ہیں جال یہ دریا کی سال گرہیں ہیں

مگر ہی ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ
ہی جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

ہوا میں اُڑتے گرہ باز کچھ کبوتر ہیں — کمال کرتے ہیں بیشک طلسم پیکر ہیں
گرہ ہوا میں لگاتے ہیں لوگ ششدر ہیں — کہ سالگرہ ہیں مجسم کئی ہوا پر ہیں

مگر ہی ایسی کہاں شبھ لگن کی سالگرہ

ہے جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

فلک کی سالگرہ چاند، چاند کی دھرتی
زمیں کی سالگرہ کوہ، کوہ کی چوٹی
درخت چوٹی کی، چوٹی کی شاخ اور ٹہنی
کمی نہیں ہے زمانے میں سالگرہوں کی
مگر ہے ایسی کہاں سُبھ لگن کی سالگرہ
ہے جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

ٹھنی ہے آکے جو مندر کے جی میں ٹھن ٹھن کی
مچی ہے آکے جو لوگوں میں دھوم درشن کی
لگی ہے آگے جو ماتھے پہ ٹیکے چندن کی
ضرور سالگرہ ہے کسی برہمن کی
مگر ہے ایسی کہاں سُبھ لگن کی سالگرہ
ہے جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

کبھی ہے عارضِ رنگیں پہ مثلِ خال گرہ
کبھی طفیل میں ہے گیسوؤں کے جال گرہ
لگا رہا ہے جو شہباز کا خیال گرہ
گرہ نہیں ہے عروسِ سخن کی سالگرہ
مگر ہے ایسی کہاں سُبھ لگن کی سالگرہ
ہے جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

مولینا شہباز کے نورانی خیالات

نئے بچّوں کے دانت کیوں نہیں ہوتے

یہ اُس نظم کا دوسرا حصہ ہے جو ننھی مُنّی شاعری کے عنوان سے کچھ برس ہوئے اودھ پنچ میں چھپی تھی جس میں ایک معصوم لڑکی نے اپنے ننھے بھائی کے مُنہ میں دانت نہ دیکھکر بھولے پن سے خدا کے پاس عرضی لکھی تھی

پاس خدا کے اُس بچّی کا
موہ لیا دل طرزِ ادا نے
خامۂ قدرت ہاتھ میں لے کر
اے معصوم اے پیاری بچّی
چاہتی ہی یوں میری عرضی
لیکن یاد رہے یہ تجھ کو
پر اس میں اک بھید ہی گہرا
وقت کا ہی یہ رستہ تکتا
وقت سے پہلے کام اگر ہو
سچ ہی منہ میں دانت نہیں ہی
دانت ابھی گر اُس کے بنا دوں
ایسی غذا تو پچ نہیں سکتی
روٹی گوشت سے پُر جو دہن ہو
دانت لگیں گر چکّی دلنے
انتڑیوں کو آفت میں ڈالے
بچّے نے منہ بن دانت کا کھولا
بالا ہی بن دانت کا بوڑھا
دل کی صدف میں بس نہیں سکتے
کیوں یوں خوش ہی بچّہ؟ بولو
خوش ہی وہ اپنی حالت پر
کام زباں ہی دودھ سے رکھتی

لے کے فرشتہ جب خط پہنچا
ہنس دیا خط کو پڑھ کے خدا نے
لکھّی شرح یہ اُس عرضی پر
دیکھ کے تیری نیّت سچّی
ہو منظور یہ تیری عرضی
یاد تھا دانت بنانا مجھ کو
وقت ہی یاں ہر کام کا ٹھیرا
وقت سے پہلے ہو نہیں سکتا
درہم برہم ہو ابتر ہو
دانت اُسکے قابل آنت نہیں ہی
کیونکر روٹی گوشت کھلا دوں
جان بچّے کی بچ نہیں سکتی
سوت سی انتڑیوں کو اُلجھن ہو
پیٹ لگے بن پانوؤں سے چلنے
پیٹ سے معدہ پانوں نکالے
مُنہ نظر آیا بھولا بھولا
ہنستا ہی مونگے پہ مسوڑھا
یوں موتی بھی ہنس نہیں سکتے
ناخن سے یہ عقدہ کھولو
شکر کے شربت سے ہی زباں تر
شربت کی ہی لذّت چکھتی

عیش بدن میں مچ جاتا ہے
پینے لگا جب دودھ چھٹورا
کس خوبی سے چھلک جاتا ہے
شکل کی سیریں دکھلاتی ہیں
بھوک گھڑی بھر ٹل جاتی ہے
غم سے فارغ ہو جاتا ہے
منہ پہ تبسم اک خوبی سے
نیند یہاں بیدار ہے بیٹھی
منہ میں پڑیں مصری کی ڈلیاں
نور ہے پھیلا تن کے محل میں
ہیں وہ رگیں امرت کی نہریں

جو پیتا ہے بچ جاتا ہے
منہ سے لگا کوثر کا کٹورا
پی کر بچہ چھک جاتا ہے
مند کر آنکھیں کھل جاتی ہیں
سیری پنکھا جھل جاتی ہے
چھاتی سے لگ کر سو جاتا ہے
آنکھیں بند خوش اسلوبی سے
غفلت یاں ہشیار ہے بیٹھی
بند آنکھیں نرگس کی کلیاں
شمع ہے روشن دل کی لگن میں
سانسیں آب بقا کی لہریں

مولینا شہباز کی کاغذی آمد و رفت

دو کی رسم تھی پہلے یہ نہ تھی آمد و رفت
سال میں پہلے تھی اک بار ہوئی پھر دو بار
چار سے چھ ہوئی اور چھ سے ہوئی پھر بارہ
شام ہو صبح ہو دن رات ہو بیہودہ کوئی وقت
کھڑکیاں خانۂ صحبت میں کھلیں الفت کی
نئے تکلف نظر آنے لگے انداز خیال
دو لفافے تھے سینوں میں گلے ملتے ہوئے

رسم کی راہ کھلی پھر یہ کھلی آمد و رفت
دو سے پھر چار کسی طرح ہوئی آمد و رفت
پھر تو ہر ماہ میں سو بار بڑھی آمد و رفت
دل کو لگتی تھی ہر اک وقت بھلی آمد و رفت
جس سے لاتی تھی محبت کی خوشی آمد و رفت
راز بتلانے لگی دل کے سبھی آمد و رفت
آمد و رفت سے جب عید ملی آمد و رفت

مختصر یہ کہ محبت کے غضب پینگ بڑھے
ہر نشہ چڑھ کے اُترتا ہی بگڑتا ہی بناؤ
نہیں معلوم وہ کیا بات تھی دل جس سے ہٹا
آمد و رفت سے پھر رسم پہ آ ٹھیری بات
آخرش رسم بھی جاتی رہی اللہ اللہ
وہی اچھے ہیں جو جانتے نہیں آنے ہیں

الغرض بام ترقی پہ چڑھی آمد و رفت
بڑھتے بڑھتے جو بڑھی تھی سو گھٹی آمد و رفت
کچھ جھجکتی ہوئی پیچھے کو ہٹی آمد و رفت
تھی جہاں پہلے وہیں آکے اڑی آمد و رفت
نہ رہی رسم وہ اگلی نہ رہی آمد و رفت
نہ بڑھاتے نہ گھٹاتے ہیں کبھی آمد و رفت

فکر کے پاؤں سے شہباز ہی آنا جانا
مثل خامہ کے ہی کاغذ پہ مری آمد و رفت

مولینا شہباز کے سُلجھے ہوئے خیالات

ڈاڑھی

(۱)

سیاہ ہیرے نہ نیلم کی تھی کنی ڈاڑھی — نہ نوک تیر نہ برچھی کی تھی انی ڈاڑھی
نہ گھاس پھوس نہ جنگل نہ تھی بنی ڈاڑھی — چمن تھا حسن کا جب تک نہ تھی بنی ڈاڑھی
تھی ابر سایہ فگن باپ کی گھنی ڈاڑھی

گلابی ہیرے کے تھے آئینے وہ گل سے عذار — بھرے تھے دانتوں کی جا منہ میں گوہر شہوار
لگے تھے جوہر خوبی کے ہر طرف انبار — نہ دوڑی اتنے میں بس لے کے برچھی اور تلوار
دیار حسن میں کرنے کو رہزنی ڈاڑھی

کبھی پڑے نہ پڑے تیل یہ چلکتی تھی — کبھی لگے نہ لگے عطر یہ مہکتی تھی
نمو کے کولوں پہ شکل کمر لچکتی تھی — جو انی گاتی تھی یہ ناچتی تھرکتی تھی

نئی دُلھن کی طرح تھی بنی ٹھنی ڈاڑھی

گلوں سے سوزِ محبت سے پھاک کے ملتی تھی　　بتوں سے جوڑوں کے کھاکھا کے دُکّے ملتی تھی
رُکا رُکا ہو کوئی گر تو رُک کے ملتی تھی　　کبھی کمان کی صورت سے جھُک کے ملتی تھی
کبھی تھی چلّے کی صورت کھنچی تنی ڈاڑھی

نکلے ہیں ڈاڑھی اصلاح کے بھی جب راہیں　　نکالنی تھی یہ تہذیب کی نئی راہیں
کبھی یہ صاف کہ نکلیں لبوں سے سو آہیں　　کبھی چھپاتی کہ لے چاہِ ناف کی تھاہیں
کسی عزیز کی جس طرح لندنی ڈاڑھی

نہ بال چھڑ کی طرح سل پہ یا کھرل میں کُٹی　　بہار پر ہے نہ سنبل کی یہ چمن میں لُٹی
دیا سلائی کی لو میں نہ پھلجھڑی سی چھُٹی　　مثال رنگ پہ سونٹے سے اُسترے کے گھٹی
عذارِ صاف کی صافی میں پھر چھپی ڈاڑھی

مُنڈے جو بیچ سے پیدا ہوں دو جزیرہ نما　　مُنڈے جو دونوں طرف سے ہے ٹاپو چھوٹا سا
کبھی ہے ہند کی صورت کبھی ہے افریقا　　کبھی لٹک کے ہے اٹلی کا ہو بہو نقشا
کبھی ہے پھیل کے اٹلی سے جرمنی ڈاڑھی

چڑھے یہ سر پہ کبھی چڑھ کے یہ اُترتی ہے　　کبھی عذار کے دامن میں یہ بکھرتی ہے
کبھی یہ ہونٹوں سے ہٹ کر پڑی بپھرتی ہے　　ہوا کے جھونکوں سے ہر وقت رقص کرتی ہے
جو پوچھو اصل تو ہے پچھ کی جنی ڈاڑھی

ہے رکھتی زیرِ علَم اپنے بیکراں لشکر　　لگاتی گھات ہے غنیموں پہ ہر سمٹ چھپکر
جمائی گالوں کے میدان میں ہے ٹڈی کو اٹر　　ہزاروں حبشیوں کالوں کی پلٹنیں لے کر
چڑھائی کرتی ہے گالوں پہ پلٹنی ڈاڑھی

کبھی یہ کرتی ہے دھاوا سوادِ گیسو تک　　کبھی یہ چھاؤنی چھاتی ہے طاقِ ابرو تک
کبھی لٹک کے یہ پہنچے سکم کے ٹاپو تک　　کبھی ہے چاہِ ذقن سے پھسل کے پیڑو تک

وفورِ کبر سے آلودہ...... ڈاڑھی

اُڑا اُڑا کے ہیں ڈاڑھی نے بجلی بن کے دھوئیں   ہیں پانی بھرتے ہزاروں چہ ذقن میں کوئیں
نفس کی گرمی سے پھیلی ہیں چار سمت لوئیں   مزے سے پھرتی ہیں غول ہیبتی شیر بن کے جوئیں
بنوں میں غل ہے کہ شیروں کی ہے بنی ڈاڑھی

شکارگاہوں میں خاصی ہے آڑ ٹٹی کی   ہے کارگاہوں میں یہ راچھ نور بافی کی
شرابخانوں میں ہے اصل ریش قاضی کی   کبھی ہے ہودجِ زریں پہ جھول ہاتھی کی
کبھی ہے زین پہ گھوڑے کی گردنی ڈاڑھی

سفر ہو یا کہ حضر ہے یہ شامِ بے وطنی   شبِ فراق کی ظلمت یہیں ہے آکے چھنی
شبِ وصال میں اکثر ہے اس سے جاں پہ بنی   کبھی ہے نیش سے عقرب کے صاف سوختنی
کبھی ہے مار کے پھنے سے کُشتنی ڈاڑھی

کبھی دکاں پہ یہ گالوں کی کھیپ ہے سن کی   کبھی ہے تھان پہ سینے کے دُم یہ توسن کی
کبھی ہے باغ میں رُخ کے بہار سوسن کی   کبھی ہے ریشمی پنیڈی ذقن کے لہسن کی
کبھی پیازِ ذقن، پنیڈی لہسنی ڈاڑھی

گدھوں کی آنکھ میں ہیں گرچہ گھاس کے پولے   گرہ کی مٹھی میں ہیں بند ریشمی جھولے
گرہ گرہ ہو کلی ہر کلی سے گل پھولے   کوئی تو پینگ بڑھائے کوئی صنم جھولے
جھلا کے ہونٹوں سے سُنوائے سالونی ڈاڑھی

ہوئی سفید تو تھا بن سے مثلِ برف دھلی   ہوئی جو زرد تو کانٹوں میں مثلِ زر کے تلی
طبیعت اس میں بڑھاپے کی اک حسین ڈھلی   خضاب کا تھا ملمع مگر جو قلعی کھلی
ہوئی سیاہی میں اودی سے بیگنی ڈاڑھی

سپیدی، زردی، سیاہی، میں آپڑی اک جنگ   دکھایا مہندی کی لالی نے کشت و خوں کا ڈھنگ
جھپٹ کے ڈاڑھی نے چاروں کو کردیا چورنگ   یہ ڈھنگ دیکھ کے مریخ کا ہوا فق رنگ

کہا دھنا کے پنے ہی تلوار کی دھنی ڈاڑھی

حجاب میں یہ کبھی اطلس حجاب سے ہی
کبھی یہ جلوہ نما ریشمی نقاب سے ہی
خیالِ مخمل و کمخواب رنگ خواب سے ہی
خدا کی شان کہ بگڑے ہوے خضاب سے ہی

ہر ایک رنگ کے کپڑوں کی الگنی ڈاڑھی

بنائیں جھالرا سے عرش و کرسیٔ رحمٰن
رکھیں فلک اسے سر پہ سمجھ کے کاہکشاں
لگائے آنکھ سے دیکھے اسے جہاں رضواں
ادب سے چھوتے ہی چومیں حور اور غلماں

نعیم خلد کی ہنڈی ہی دَرِ شُنی ڈاڑھی

ہر ایک بال میں ہی موشگافیوں کا اثر
حموشیوں میں فصاحت کے ہیں بھرے دفتر
سیاہیوں سے یہ ہی مردمی کا نورِ بصر
کجی میں اس کی سراسر ہی راستی مضمر

غرور میں ہی طلسم فروتنی ڈاڑھی

کبھی ہی علم بیان میں یہ مختصر پُرغش
کبھی ہی شرح معانی میں یہ مُطوّل وش
کبھی یہ جوڑتی ہی نحویوں کی ریش سے نش
کبھی ہی عالمِ تقریر میں بُزِ اخفش

کبھی ہی ہمہ بزِ اخفش کی خوندنی ڈاڑھی

مولنا شہباز کے اُلجھے ہوئے خیالات

مونچھیں

(ان مونچھوں کو زیادہ تر باقی پور پٹنہ سے تعلق ہی)

ڈھیں اس طرح جب چھچھوندر کی مونچھیں
منڈیں کس لیے پھر قلندر کی مونچھیں

پڑی تاؤ کھاتی ہیں ہر حر کی مونچھیں　　عجب کیا اگر ریچھ بندر کی مونچھیں
بنیں بڑھتے بڑھتے سکندر کی مونچھیں

کسی روم میں ایک ریکارڈ کیپر　　ہے بیٹھا ہوا اپنی کرسی کے اوپر
نہیں ڈر سے رکھنا چُرٹ مُنہ کے اندر　　کہ پھیلا ہے کرسی پہ مونچھوں کا دفتر
محافظ ہیں خود اپنے دفتر کی مونچھیں

نکیلی کھنچی ناک کے زیر سایہ　　بڑھاتی ہوئی رعب و سطوت کا پایہ
سُناتی ہوئی خوف و خشیت کا آیہ　　کبھی باالصراحہ کبھی بالکنایہ
ڈراتی ہیں ڈپٹی کلکٹر کی مونچھیں

کمر میں نہیں گرچہ تلوار رکھتیں　　مگر پھر بھی اعدا کو ہیں مار رکھتیں
ہیں احباب کو عاشقِ زار رکھتیں　　لبوں پر بھی اک زعفراں زار رکھتیں
خوش اخلاقیوں سے کلکٹر کی مونچھیں

سرِ شام کوٹھی سے اپنی نکل کر　　اُٹھاتی ہوئی دم بدم لطف منظر
لگاتی ہوئی لان کے گرد چکر　　بڑھاف کے ساتھ عمدہ فٹن پر
ہوا کھا رہی ہیں کمشنر کی مونچھیں

جواہر کی لڑیاں کہیں جھڑ رہی ہیں　　خریفوں پہ چھڑیاں کہیں پڑ رہی ہیں
نظیروں پہ آنکھیں کہیں گڑ رہی ہیں　　کتابیں پٹک کر کہیں لڑ رہی ہیں
کھڑی کونسلی سے پلیڈر کی مونچھیں

کہیں چھانتی ہیں مئے پرتگالی　　پروتی کہیں پرل کے ہیں لالی
بنی ہیں کہیں حسن کے منہ پہ جالی　　سیاہی میں ہیں لب پہ ہاتھوں کی لالی

سلہ بہتر ین نصف یعنی عورت ۱۲　سلہ موتی ۱۲

سٹیشن پہ ایجنٹ کلنر کی مونچھیں

کہیں ذکر ہی گرز باں دانیوں کا — کہیں وقت ہی گر ثنا خوانیوں کا
غرض معرکہ گر ہی لسّانیوں کا — پہنچکر وہیں جلد ایرانیوں کا
پھریرا اُڑاتی ہیں سنجر کی مونچھیں

ہوا قلب پر خوف عقبیٰ جو غالب — چلا گھر سے عینو[1] کی مسجد کی جانب
تھے عینو وہاں ورزئ شاہ یثرب — بڑھے لے کے مقراض قصّوا الشّوارب
جو دیکھیں مرے منہ پہ کافر کی مونچھیں

وہ مونچھوں پہ لپکے یئی داڑھی سے لٹکا — کترنے لگے وہ، دیا میں نے جھٹکا
گلا منہ پہ کرنے لگی کام نٹ کا — اُٹھا پھر تو مونچھوں نے داڑھی کو پٹکا
چُبھونے لگیں نوک خنجر کی مونچھیں

نکل آئے لڑ بھڑ کے ہم ٹھنڈے ٹھنڈے — اُڑاتے ہوئے فتح و نصرت کے جھنڈے
بندھے گو نہ مونچھوں میں عینو کے ڈنڈے — وضو ہو گئے لیک تقویٰ کے ٹھنڈے
نہ جائیں جو مسجد ہو عنبر کی مونچھیں

ہو جلسہ وہ پٹنے میں یا لکھنؤ میں — وہ ہو شوق زر دار یا عشق ٹیں ٹیں
کہیں ہاتھ ناچیں کہیں پاؤں تھرکیں — لب لعل سے ہونٹ طوطی کے مل دیں
الاپیں جو شہباز حیدر[2] کی مونچھیں

---

[1] غالباً پٹنے میں اس نام کی کوئی مسجد ہی ۱۲ [2] ایک طوائف کا نام جس کے مونچھیں تھیں ۱۲

پروفیسر شہباز کے رنگیں خیالات

پان

یواقیت میں لعل کی شان ہوں میں — یمن میں لبوں کے بدخشاں ہوں میں

بھرے لعل و یاقوت ہیں یاں سے واں تک — بظاہر زمرّد کی گو کان ہوں میں

مری تہ سے نکلیں گے خوش رنگ موتی — سمندر میں زینت کی سیلان ہوں میں

مری شکل ملتی ہی ہندوستاں سے — محب الوطن جزو ایمان ہوں میں

جماتا ہوں میں رنگ سوسن پہ اپنا — ادھر دیکھ نرگس زباں دان ہوں میں

ہوں مرجان کو میں زمرّد کی مسجد — زمرّد کو تسبیح مرجان ہوں میں

کہیں سُرخ پوشوں کا ہوں میں گریباں — کہیں سبز پوشوں کا دامان ہوں میں

دکھاتا ہوں لذّت کو خوش رنگ دانے — تبسّم کے شق سے۔ وہ رُمّان ہوں میں

مرے آسماں پر ہیں قوسِ قزح دو — دکھاتا جبھی سارے الوان ہوں میں

سپیدی سے لے کر سیاہی کی حد تک — ہر اک رنگ قدرت کا سامان ہوں میں

کہیں رنگ سے چائے کی ہوں پیالی — کہیں بو سے قہوے کا فنجان ہوں میں

کہیں مہماں کی ہوں خاطر تواضع — کسی جا مداراتِ مہمان ہوں میں

کہیں میں ہوں سیری کو جوبن کی پڑیا — کہیں بھوک کو خوانِ الوان ہوں میں

کبھی ہوں خوشی جو نہ پھولے سمائے — کبھی فکرِ سر در گریبان ہوں میں

عدو کا ہی کیا منہ کہ منہ پاس لائے — محبّت کی ڈیوڑھی کا دربان ہوں میں

بدلتا ہوں عشرت کی شاخوں پہ دانہ — تعشق کی چھتری کا گردان ہوں میں

کروں سچ تو لوں لعلِ احمر کا بوسہ — کہ پڑھتا حسینوں کا قرآن ہوں میں

مناسب ہی ہوتی کو اب چوں نہ کرنا
لبِ لعل پر نوک پیکاں ہوں میں

زمیں کو مرے رنگ نے چھا لیا ہی
جہانگیر شہرت کا طوفان ہوں میں

نہ تھا میں تو یہ رنگ زینت کا کد تھا
بھر رنگ زینت کا سامان ہوں میں

میں ہوں ناک - ہیں ناک کی کیل لونگیں
قرنفل کرن پھول ہیں - کان ہوں میں

الاچی جو بنتی ہی پہ دے کی بو. لو
الاچی کا در پردہ اک تھان ہوں میں

گرہی ہو گئی ہی قوم - مصلح کی صورت
اُٹھاتا پکڑ کر گریبان ہوں میں

مشیروں کو دیتا ہوں اپنے وزارت
جہاں میں اگر دل پہ سلطان ہوں میں

دوپلی ہی جب سر پہ شاہِ اودھ ہوں
کُلہ کج ہی جب شاہِ ایران ہوں میں

کبھی مشورے میں ہیں - کبھی معرکے میں
ترقی تمدن کے ارکان ہوں میں

عیاں بستر سلطنت آیت کی سُرخی
خدائی چھپائی کا قرآن ہوں میں

مری یاد ہی یاد گھر کی بھلاتی
عرب کے لیے طاقِ نسیان ہوں میں

کھڑے کان ہوتے ہیں گھوڑوں کے مجھ سے
کہ وہ سنتے ہیں گھوڑوں کے کان ہوں میں

جو ہی جانستاں روگ - ہوں نوش دارو
جو ہی لا دوا درد - درمان ہوں میں

مجھے دیکھکر برص کا رنگ فق ہو
کچھ ایسا کہ خود جس سے حیران ہوں میں

برس کیا منٹ دو منٹ بھی نہ ٹھہرے
کہے ڈر کے رخصت اسی آن ہوں میں

جذام ایسا گھبرائے - سر پانو بھولے
کہے اب کوئی دم کا مہمان ہوں میں

جو دیکھے کہ ساماں بُرے ہیں تو بولے
اُٹھاتا ابھی اپنا سامان ہوں میں

بنائے ہیں سب حاذق الملک میرے
شریف اور محمود دوران ہوں میں

یہ لکھا ہوا ہی مرے ہر ورق پر
پڑھو موجز علم ابدان ہوں میں

نہیں مجھ سے بہتر کوئی شرح قانون
افاضاتِ دانائے گیلان ہوں میں

رہی ہی مری نازنینوں سے صحبت
جبھی نازنیں دھان اور پان ہوں میں

بگڑ کر خدارا نہ یوں منہ پھلاؤ
ادھر منہ کرو جانِ جاں پان ہوں میں

ہوتا سرخ روئی جوانوں کو اپنے
لڑاتا کبھی بن کے کپتان ہوں میں

عدو میری چوٹوں سے خوں تھوکتے ہیں
نہیں رزم - گرزِ نریمان ہوں میں

اٹھاؤ نہ تم قتل کا میرے بیڑا
کہ نازِ بنی نوعِ انسان ہوں میں

نہ چکّی کی صورت بنو دانت پیسو
کہ دانے کی صورت پریشان ہوں میں

نہ مانو تو خود منہ تمہارا دکھے گا
جو مانو تو مرہونِ احسان ہوں میں

ہیں باتیں مری لعل سے بیش قیمت
سنو دور اندیش انسان ہوں میں

خوش اخلاقیوں سے ہنسو مسکراؤ
کہ خوش خوش اداؤں پہ قربان ہوں میں

ہنسی سے بنوں منہ پہ پھولوں کی ٹہنی
تبسّم سے گلچیں کا دامان ہوں میں

بلا سے ہسی کی اندھیری ہی چھائی
تجلّی سے روشن شبستان ہوں میں

یمن ہوں اگر زینتِ لعل لب ہوں
عدن ہوں اگر زیب دندان ہوں میں

نکلتا ہی منہ سے مرے اللہ اللہ
پھراتا جو تسبیح مرجان ہوں میں

ہی تحریر اللہ رنگ اپنا سبحان
لیے سبحہ جوں لونِ سبحان ہوں میں

ہوں سادہ ورق سادہ لوحوں کے آگے
مگر دفترِ اہلِ عرفان ہوں میں

تکلم کہ ہونٹوں کا لوں مڑ کے بوسہ
تبسّم کہ دانتوں پہ قربان ہوں میں

مری بیل ہی وہ منڈھے چڑھنے والی
وہ بوٹا جو چڑھتا ہی پہ وان ہوں میں

ہیں ظلمات زا ملٹیاں خضر صورت
لیے جام میں آبِ حیوان ہوں میں

وہ ہی حسن سبزہ و خطِ سبز میرا
کہ ہو رائے صائب تو دیوان ہوں میں

سمجھتے ہیں کچھ لوگ صاحب کا بنگلہ
اگرچہ نہ کمرہ نہ دالان ہوں میں

بتاتے ہیں کچھ لوگ بنگالی مجھ کو
کہ بنگلے کا پورا زباں دان ہوں میں

نہ بنگلہ کہ ہی کل زبانوں پہ قدرت
عجب بلگرامی زباں دان ہوں میں

بنائی خدا نے مری دل کی صورت
نہیں خاصداں ہی یہ وہ قلب مومن
نہیں سانچ کو آنچ سا نچی کے مُنہ سے
حیا مجھکو کیا کیا سمٹے ہوے ہی
سپیدی سے اقبال کی ہوں نشانی
کبھی ہو مری غنچہ ساں جمع خاطر
کھُلا تا کہیں ہوں کمر دوستی کی
نہیں آدمی پھر بھی ہی آدمیت
مجھے بھی خدا نے مری جان دی ہی
جو انسان ہو مجھکو حیواں نہ سمجھو
زمانے کے اخلاق ہیں بند مجھ میں

جبھی سینے سینے کا ارمان ہوں میں
کہ جس میں پڑا نور ایمان ہوں میں
سکھاتا سچائی کی پہچان ہوں میں
عفیفوں کی عفّت کا دامان ہوں میں
ترقی کے۔ سبزی سے سامان ہوں میں
کبھی مثل سُنبل پریشان ہوں میں
بندھاتا کہیں عہد و پیمان ہوں میں
پری ہوں نہ جن ہوں نہ شیطان ہوں میں
سمجھنا نہ ایسا کہ بے جان ہوں میں
ہی انسانیت مجھ میں۔ انسان ہوں میں
تواضع۔ سخا۔ جود۔ احسان ہوں میں

خیالاتِ شہباز ہیں۔ اور ہیں شہپر
سرِ عرش تک وقفِ طیران ہوں میں

پروفیسر شہباز کے پیارے خیالات

(بوسہ)

(۱) تمہید۔ سماں

بتاؤں یہ کیوں میں۔ کدھر تھا۔ کہاں تھا
لگن شبھ گھڑی لے کے آئی ہوئی تھی

جہاں تھا مگر اک سُہانا سماں تھا
سُہانی سی اک رات چھائی ہوئی تھی

طرب کی ہر اک فرع کی اصل تھی وہ
کہاں چاندنی پر بچھی چاندنی تھی
ستارے بھی تھے ٹمٹماتے ہوئے سے
کیے تھا عجب شان سے بالکنا یہ
کھلیں تھیں تماشے کو نرگس کی آنکھیں
کھلے پاس زنبق کے دو سرخ گل تھے
نہ زنبق نہ گل زینتِ گلستاں تھے
لپٹ تھی اُدھر مشک و عنبر کی آتی
نکالے ہوئے سیب تھا اپنی ٹھوڑی
غضب دل میں ارماں سمائے ہوئے تھے
لگائے ہوئے کان تھے پھول دونوں
سماں یہ تھا اور سو رہی تھی خدائی

کہا کہکشاں نے شبِ وصل تھی وہ
کھلی چودھویں رات کی چاندنی تھی
نظر آتے آتے نہ آتے ہوئے سے
مہ چاردہ سرو کے سر پہ سایہ
تماشے سے روشن تھیں نرگس کی آنکھیں
بھرے جس میں خوشبو کے سامان گل تھے
دھرے پاس بینی کے دو عطرداں تھے
اُدھر تھی جو خوشبو گلِ تر کی آتی
کرے جھک کے تا باغ کی سیر تھوڑی
انارین بھی سر اُٹھائے ہوئے تھے
کہ تھے راگ میں لعل مشغول دونوں
خموشی نے تقریرِ شیریں سنائی

(۲) میرے وجود کی نسبت حکما میں اختلاف

کھلے جس جگہ عقل و حکمت کے لب ہیں
لبوں پر تکلم کے کیا کیا سخن ہیں
ہے کہتا کوئی میں نہیں ہوں نہیں ہوں
وجود و عدم کے ہیں جھگڑے یہاں بھی
خدا بن کے جن میں سمایا عدم ہے
جو طوفانِ حجت میں ہیں یاں وجودی
سمجھتے ہیں مجھ کو وجودِ خیالی

پڑے اختلافات باہم غضب ہیں
ہیں اُتنی ہی باتیں کہ جتنے دہن ہیں
ہے کہتا کوئی ہر جگہ۔ ہر کہیں ہوں
مسائل گئے خوب رگڑے یہاں بھی
وجود اُن کا زیرِ سماں کالعدم ہے
ہے ممکن ملے اُن کی کشتی کو جودی
نہیں پھر بھی کوئی مکاں مجھ سے خالی

ہی بجز خیال اُن کا طغیانیوں پر
عناصر ہیں اشبہ بہت ہوں ہوا سے
یہ سُن کر بڑھے تا کہ ہوں مجھ پہ حادی
جنھیں کیمیا کا تصوّر نہیں ہی
اُڑے نطق سے بجلیوں کے شرارے
نظر پھر تو آنے لگے سب کو دو جن
بتایا پھر اُس عالمِ کیمیا نے
پڑے زہر-امرت ہیں گھٹی میں ان کی
جو بھڑکائے ایک آتشِ زندگانی
کرے ایک روشن اگر شمع گل ہو
اگر اس کو لپکا ہی آتشِ زنی کا
نیستاں میں گر آگ ہی اک لگاتا
شرر ہیں انھیں کے ہیں جلوے بقا کے
یہ دنیا ہی سنبھلی انھیں دو کے دم سے
نہیں راہ پر جو کہ گمرہ ہی ان سے
اگرچہ بظاہر وہ مُربی نہو گا
ہی گر نائٹروجن کی شرکت زیادہ
اگر آکسیجن کی ہی اُس میں شدّت
غرض جو ہو وہ شی-کبھی شورہ زا ہی

لبوں پر ہوں-ہاتھوں پہ پیشانیوں پہ
پہ دبتا نہیں آتشِ شعلہ زا سے
جو کرتے ہیں تحلیل یاں کیمیاوی
ہوا جن کی آنکھوں میں عنصر نہیں ہی
الگ ہو گئے میرے اجزا وہ سارے
اُدھر آکسیجن اُدھر نائٹروجن
کہ بخشی ہی قدرت سب ان کو خدا نے
فنا و بقا دونوں مُٹھی میں ان کی
تو وہ دوسرا پھیر دے اُس پہ پانی
جہاں دوسرا آئے ہر شمع گل ہو
وہ ہونے نہ دے بال اک جنس کا بیکا
تو وہ دوسرا آن کر ہی بجھاتا
ہوا ہیں انھیں کے ہیں جھونکے فنا کے
برابر ہیں پلّے وجود و عدم کے
ہوا ہی جو اشبہ ہی اشبہ ہی ان سے
مزوں سے ولیکن وہ خالی نہ ہو گا
تو شورے کی سی ہو گی لذّت زیادہ
مزہ دے رہی ہو گی اُس میں حموضت
کبھی شورہ زا وہ حموضت فزا ہی

۵ ترشی ۱۲

غلط ہی جو کہتا ہی میٹھا نہ کھٹّا
ہی تحقیق سے دور اُلّو کا پٹھا

ہوا اُس میں گر چھوڑ دی ہی پٹاخا
مزوں کا ضرور اُس میں ہوگا چٹاخا

(۳) میری لذّت

سنو یار! نکتہ یہ منہ چومنے کا
کہ کھٹّا نہ میٹھا مگر ہوں مزے کا

لبوں کی طرح ہی یہ مضمون رنگیں
سمجھتے ہیں فرہاد وش مجھکو شیریں

نہ ہوں گرچہ میٹھا نہ ہوں گو سلونا
مرا خوان خوبی پہ لازم ہی ہونا

سمجھتے ہیں نامرد گو مجھکو پھیکا
ہی میرے ہی سر فتح مندی کا ٹیکا

ہو میٹھا اگر منہ تو میٹھا بھی ہوں میں
ہو بگڑا اگر منہ تو کھٹّا بھی ہوں میں

ترش میں ہوں چین جبیں سے زیادہ
حلاوت میں ہوں انگبیں سے زیادہ

ملاحت ہی مجھ میں نمک آکے بھرتی
ادا مجھکو قند مکرر ہی کرتی

اگر لب ہوں میگوں تو مَی کا مزہ ہی
غرض مجھ میں ہر ایک شی کا مزہ ہی

(۴) میرا وطن

سُنا ہی کہ ہر دل وطن کو ہی کھنچتا
مرا دل بدخشاں۔ یمن کو ہی کھنچتا

اگر ٹھیک ہی جذبِ دل کی گواہی
دکھادے بدخشاں۔ یمن پھر الٰہی

مگر اس پہ خدشے ہیں اک فلسفی کے
وطن دو تو ہوتے نہیں آدمی کے

یہاں جذب کی کچھ نہیں پیش جاتی
سمجھ میں ہی پر ایک "تاویل آتی

یمن میں اگر میری ددھیال ہوگی
بدخشاں میں ممکن ہی ننھیال ہوگی

غرض میں عرب میں یمن کا عرب ہوں
عجم میں بدخشاں کا عالی نسب ہوں

جو دادا ہی میرا سہیلِ یمانی
ہی خورشید نانا۔ شعاع اُس کی نانی

چچا ہی یمن میں اگر لال میرا
بدخشاں میں یاقوت ہی خال میرا

مرے سکے رائج یہاں ہر کہیں ہیں — عرب اور عجم دونوں زیر نگیں ہیں

نئی تحقیق

نیا دور ہی یہ - نیا ہی زمانہ — نہیں کوئی سنتا پرانا فسانہ

تو تحقیق تازہ بھی اب مجھ سے سن لو — یہ دانے ہیں یاقوت کے ان کو چن لو

بھرا ذکر سے ہی مرے ٹائمز کل کا — چھپا جس میں مضمون ہے سرلپل کا

بڑے زور سے وہ دکھاتے ہیں سب کو — نہیں کوئی مجھ سے تعلق عرب کو

عجم میں بھی ان کو سراسر سخن ہے — حقیقت جو پوچھو تو برہما وطن ہے

برہمن نہ چھتری نہ رجپوت کا ہوں — جگر لعل کا - لال یاقوت کا ہوں

(۵) میری جہانگیری

پہاڑوں کے دامن میں گو میں پلا ہوں — مگر ایک شہدا چھنٹا شہر کا ہوں

ہوئی تربیت گو مری جنگلیوں میں — چمکتا ہوں تہذیب کی بجلیوں میں

بڑھاتا ہوں میں ہاتھ شیریں لبوں پر — کبھی ہوں لبوں پر کبھی غبغبوں پر

قدم پر کبھی ہوں کبھی ہوں جبیں پر — فلک پر کبھی ہوں کبھی ہوں زمیں پر

کبھی میں ہوں گالوں پہ گل ہو کے کھلتا — کبھی ہوں لبوں سے میں لب بن کے ملتا

کبھی کام میں رشکِ عناب ہوں میں — کبھی شوق میں شکلِ سیماب ہوں میں

چٹک میری غنچوں سے ہی بات کرتی — چہک میری بلبل کو ہی مات کرتی

شرابوں میں حدت سے میری نشہ ہے — کبابوں میں لذت سے میری مزا ہے

کیے گرم ہیں سارے بازار میرے — جدھر دیکھو - ہیں سب خریدار میرے

مری بیل ہی بزم کے کارپٹ میں — مری جنس ہی شوق کے مارکٹ میں

سر آنکھوں پہ شہری ہیں مجھکو بٹھاتے
جہاں بزم رنگیں ہی - رنگیں ہی مجھ سے
مزہ ہی ہر اک دل کو میری لگن میں
اگرچہ مری اصل ہی ایشیائی
رسائی نہیں بادشاہی ہی میری
اگر جایئے خانگی سرکلوں میں
مرا شوق ہی دل میں آیا کے آیا
وہ صاحب جو مونچھوں کو سلجھا رہا ہی
بہ تشبیہ مونچھوں کو دو شہپروں سے
نہیں روز کی مس کے گالوں پہ لالی
پڑیگا یہیں آکے رن کورٹ شپ کا
ادھر چند صاحب کے با با کھڑے ہیں
کھڑے بھی کھڑے ہیں مری راہ تکتے
کسی کے لیے دودھ کا گھونٹ ہوں میں
کسی لونڈے کے گال پہ ہوں لونڈر
اگر چھوڑکر گھر کو پبلک میں آؤں
بچائے ہزاروں کے ہیں لوٹ میں نے
ہی رکھا گرو ہوں کہ ہاتھوں میں میں نے
وزارت پہ کیوں ہی تمھیں اتنی حیرت
ہنسوں جس جگہ ہاتھ کندھوں پہ رکھکر
سفیروں کے ہیں ہوش کھوتا رہا ہوں

ہیں تہذیب کی مجھ سے تعلیم پاتے
جہاں لعل شیریں ہی - شیریں ہی مجھ سے
مری شمع روشن ہی ہر انجمن میں
مری لیک یورپ میں بھی ہی رسائی
پھری یاں سے واں تک دہائی ہی میری
تو واں بھی مری چاؤ ہی سب دلوں میں
مرا میم صاحب کے سر پر ہی سایا
وہ مونچھیں نہیں ہیں - مرا گھونسلا ہی
مزوں سے کہوں لو اڑو شہپروں سے
بنا کشت و خوں کی ہی واں میں نے ڈالی
ڈبسائنڈ آکے ہوگا یہیں بینٹ لپ کا
ادھر نرسری میں بھی بعضے پڑے ہیں
پڑے بھی مری یاد میں ہیں بلکتے
کسی کے لیے کمبل کا اونٹ ہوں میں
کہیں بالے ہونٹوں پہ ہوں بالی شوگر
عمل میرا چلتا ہوا واں بھی پاؤں
ہزاروں کو دلوائے ہیں ووٹ میں نے
وزارت بدل دی ہی باتوں میں میں نے
وزارت بدل دی ہی یورپ کی قسمت
تو واں عقل بسمارک کو آئے چکمہ
سفارت کے موتی پروتا رہا ہوں

نہیں راز مخفی وہاں۔ میں جہاں ہوں
دکاں جس جگہ بیٹھ کر کھول دوں میں
مدبّر۔ مقرر۔ بہادر۔ جری ہوں
بڑھی سب سے ہی بلکہ تدبیر میری
ہی صدقہ مرا اہلِ یورپ کی صولت
جڑے قفل قلعوں کے کھلتے رہے ہیں
لبوں سے شجاعت کی کاٹوں زرہ میں

فرشتوں کے میں راز کا رازداں ہوں
ملکے سیر سر رازداں تول دوں میں
پلوڈن۔ گریفن۔ کرومر۔ کری ہوں
یہاں تک کہ قائل ہی تقدیر میری
یہ دولت ہی دنیا کی میری بدولت
لبوں سے بتاسوں کے کھلتے رہے ہیں
لبوں سے سفارت کی کھولوں گرہ میں

(۶) میری خوش عقیدگی

مذاہب کے آگے بھی ہی قدر و قیمت
لگا رات دن ارض کی سیر میں ہوں
نہیں منحصر دہلی و مولتاں پر
مجھے کچھ ہی تم قبلہ و کعبہ سمجھو
دلوں کے حرم ہیں جہاں محترم ہوں
سفیدی مری سنگِ اسود کے منہ پر
عقیدت کے زیور میں گھڑتا ہوں اس کے
وہ لب جن پہ یاقوت کی رال ٹپکے
وہ لب گھونٹ ہیں جو مئے وانگبیں کے

عجب ذات والا ہی میری غنیمت
حرم میں کبھی ہوں کبھی دیر میں ہوں
جھکی ہی جبیں میری ہر آستاں پر
لبوں کا مگر کعبہ و قبلہ سمجھو
لگن میں لبوں کے میں شمعِ حرم ہوں
اڑائے ہوائی زبرجد کے منہ پر
لبوں کے میں یاقوت جڑتا ہوں اس پر
وہ لب جن پہ سو جان سے لال ٹپکے
وہ لب جو جھروکے ہیں خلدِ بریں کے

(۷) میری القاب

اگرچہ سخنور کی نازک خیالی
نہیں پائی ناموں میں مضمون عالی

عجب فلسفہ بند ناموں میں بھی ہے
جو ناموں کو سمجھے بڑا فلسفی ہے

سُنا ہے یہ میں نے کسی فلسفی سے
نہیں دور شاید بہت راستی سے

مسمّیٰ وہ جس کے ہیں اسما زیادہ
جہاں میں اُسی کا ہے رتبا زیادہ

یہ جس کلیّے کی ہے تمہید کرتا
ہے مذہب بھی کچھ اُس کی تائید کرتا

زباں ایک ہے تو یہ تو نو مزے ہیں
خدا ایک ہے - نام ننانوے ہیں

خدا سے ملاؤں یہ کیا اپنا مُنہ ہے
بڑی بات ہے اور چھوٹا سا مُنہ ہے

مگر پھر بھی یاں تک چڑھا اور بڑھا ہوں
خدا کے خلیفہ کا میں مُنہ چڑھا ہوں

لبوں سے لگے عیش کے جام بھی ہیں
اسی سے زیادہ مرے نام بھی ہیں

جہاں باتیں وصل اچھی اچھی ہے کہتا
مجھے میٹھے مُنہ سے وہ پچّی ہے کہتا

نہ آب صفا ہے - نہ چاہِ ذقن ہے
چھلکتا ہوا مجھ سے پچّی بھون ہے

خدا جانے کیا ہے لبِ یار کہتا
مگر دل تو ہے پیار سے پیار کہتا

کہیں گال پر پھیر کر ہاتھ شوخی
شرارت سے مجھ کو بتاتی ہے بتّی

کہیں چوم کر چاؤ سے گال مِسّ کا
ہے دیتا لقب ٹھینگ یو مجھ کو کِس کا

کبھی میں ہوں موٹا کبھی میں ہوں دُبلا
کہیں میں ہوں کِس اور کہیں میں ہوں قبلا

کہیں جبکہ بلبل کا مُنہ گل نے چوما
چہک کر کہا لب کی بلبل نے چوما

کہاں تک مشیخت کہاں تک تعلّی
نہ لے لن ترانی کی دکھلا تجلّی

کنایوں کو کر جلد رخصت صراحت
صراحت کا مُنہ چوم لے اب فصاحت

ہوں بیبن کا مطبخ میں لوگے سنبوسہ
میں بوسہ ہوں بوسہ ہوں بوسہ ہوں بوسہ

پروفیسر شہباز کے رنگین خیالات

بہار کی آمد

(۱) لیل و نہار کی آمد

عجب فصل یہ خوش گوار آ رہی ہے
بسنت آ چکا ہے بہار آ رہی ہے

جلو میں لیے فوجِ رومی و زنگی
وہ رنگی لیل و نہار آ رہی ہے

شعاعوں سے دن زر فشاں بن رہا ہے
ستاروں سے شب زرنگار آ رہی ہے

نہیں دھوپ۔ سوئے خلیلِ زمانہ
لیے تازہ گلزارِ نار آ رہی ہے

کہاں چاندنی روح افروزِ رحمت
سوئے بندۂ شرمسار آ رہی ہے

جو اوڑھے ہوئے چاندنی کا دوپٹا
اُدھر کاکلِ تابدار آ رہی ہے

اُدھر دھوپ کا بر میں جھمکا ہے سایہ
رخ افروزیِ گلعذار آ رہی ہے

نہیں شام۔ شانوں سے لے کر قدم تک
بکھرتی ہوئی زلفِ یار آ رہی ہے

نہیں صبح۔ حسنِ تبسم کی سُرخی
نکھرتی سوئے گلعذار آ رہی ہے

بدلتی ہوئی بھیس شام و سحر کا
یہ خود قدرتِ کردگار آ رہی ہے

شباب آ رہا ہے وہ پیرِ فلک کا
خزاں جا رہی ہے بہار آ رہی ہے

وہ روئے زمیں ہے کہ با ایں نقاہت
جھکی گردنِ روزگار آ رہی ہے

(۲) باغ کی بہار

سنائی ہے بلبل ہمیں یہ چہک کر
کوئی پھول سی گلعذار آ رہی ہے

دکھانے کو یاروں کو عجزِ حنائی
لچکتی وہ شاخِ چنار آ رہی ہے

اُبھرنے کو ہی جلد اناروں کا جوبن
جوانی پہ شاخِ انار آ رہی ہے

عجب لطف سے باغ میں نکہتِ گل
نسیم و صبا پر سوار آ رہی ہے

ہوا سے کہیں زلفِ سنبل بکھر کر
ختا کی طرح مشک بار آ رہی ہے

کہیں آبِ شبنم سے سوسن نکھر کر
ختن وار عنبر نثار آ رہی ہے

بچھائی ہیں نرگس نے آنکھیں کہ اُس کو
بہت لذتِ انتظار آ رہی ہے

نہیں ہے یہ سورج مکھی - کوئی شاہد
بغل میں دبائے ستار آ رہی ہے

کرن پیچھے پیچھے وہ سورج کی اُس پر
چڑھانے کو سونے کے تار آ رہی ہے

رہے گی بہت نوک جھوک آبلوں سے
جنوں باغ میں نوکِ خار آ رہی ہے

(۳) چڑیوں کی بہار

عجب ٹھاٹھ سے وہ گلے کو لگائے
لیے لَے کو صوتِ ہزار آ رہی ہے

اکڑتی ہوئی پھر طاؤس و ہُد ہُد
خود آرائیِ تاج دار آ رہی ہے

چمن گونج اُٹھے گا حق سرہ سے
چلی قمریوں کی قطار آ رہی ہے

نہیں دور وہ دن کہ کانوں میں گل کے
پیا پیے وہ پی کی پکار آ رہی ہے

ادھر جا رہا ہے پپیہا جو مضطر
اُدھر کو کلا سنے قرار آ رہی ہے

اُدھر پیڑ ہے بانسلی سے سناتی
اُدھر کوک دابے ستار آ رہی ہے

(۴) خواہشوں کی بہار

نئی روح پھنکنے کو ہے جان - تن میں
نئی زندگی - جسمِ زار آ رہی ہے

اُمنگوں کے قالب میں دل میں تمنا
بہت آ رہی - بیشمار آ رہی ہے

ٹپکنے کو ہے رال شبنم کی گل پر
ہنسی گل کو بے اختیار آ رہی ہے

(۵) مے نوشیوں کی بہار

چھلکنے کو ہے صبح گل کی گلابی
گرانے کو خرمن پہ تقوے کے بجلی
سوئے مے کدہ سر سے پگڑی کے لپٹی
مشیخت پہ جھکنے کو ہے مے فروشی

وہ شبنم کی مے نے خمار آ رہی ہے
ہوا پر گھٹا برق وار آ رہی ہے
گرو ہونے کو اک ازار آ رہی ہے
ارادت اگر بادہ خوار آ رہی ہے

(۶) سواری کی بہار

لچکتی نہیں باغ میں شاخ گل کی
نہیں اشرفی بے سبب پھول بنتی

یہ بیگم کوئی تاج دار آ رہی ہے
وہ ہونے کو گل پہ نثار آ رہی ہے

(۷) سپہ گری کی بہار

دو رویہ کھڑے سرو کے ہوں سپاہی
چٹانوں کے اوپر سے چڑھتی اترتی
بجاتی ہوئی بینڈ گوروں کی پلٹن

طراوت لبِ جو یبار آ رہی ہے
وہ موسیقیِ آبشار آ رہی ہے
بڑھی جانبِ زنگبار آ رہی ہے

(۸) شاعری کی بہار

نہیں ہے یہ کاغذ سمندر سے سیپی
نہیں ہے یہ خامہ۔ گلستاں سے بلبل
چہکتا نہیں ہے یہ شہباز بلبل

لیے گوہر آب دار آ رہی ہے
لیے چونچ میں گل کے ہار آ رہی ہے
چہکتی ہوئی خود بہار آ رہی ہے

پروفیسر شہباز کے تہنیت آمیز خیالات
(عید)

رمضاں! ساعتِ سعید آئی
تیس دن تک تھا انتظار اس کا
یہ فلک پر نہیں ہے نورِ ہلال
چھائی کب شام کی اندھیری ہے
نکلے کب چرخ پر یہ تارے ہیں
روشنی کب یہ کہکشاں کی ہے
صاف یہ ویسی ہے کان کا جھمکا
عقل [illegible] راہ بھولی ہوئی
دھنک ہاں ہے طرب فزائی کے

عید ملنے کو ہم سے عید آئی
دیکھا اب روئے گلعذار اس کا
وقفِ عشوہ یہی ہے حورِ جمال
زلف اسی ماہ نے بکھیری ہے
جھلکے افشاں کے یہ ستارے ہیں
بات سیدھی ہے مانگ سیدھی ہے
آبِ گوہر ہے نورِ انجم کا
کب شفق ہے بھلا یہ پھولی ہوئی
رنگ ہیں یہ کفِ حنائی کے

[illegible] بڑی بدمستی ہے
عید کی رات ہے نہ سو غافل
ہے سیاہی میں شام کی اک نور
پہلے تو کر لے خوب پیار اسے
اب جو دل میں یہ آ کے بیٹھی ہے
گرچہ مرحوم تھے بڑے دیندار
مہندی ہاتھوں میں یہ لگاتی ہے
کپڑے انواع بہ بدلتی ہے

عقل کیوں وقفِ فاقہ مستی ہے
داغ مے سے ریا کے دھو غافل
زلف کھولے ہوئے ہے عیش کی حور
خانۂ دل میں پھر اتار اسے
رمضاں کی یہ پیاری بیٹی ہے
پر یہ شہدن ہے اک چھوٹی عیار
سرمہ آنکھوں میں یہ گھلاتی ہے
عاشقوں کو لبھائے جاتی ہے

ہر نمازی سے ساز ہے اس کو
مسجدوں میں یہ آ لپٹتی ہے
کوئی مسجد نہیں بچی اس سے
کہیں رُکتی نہ یہ اٹکتی ہے
ہے اماموں سے پانو پڑواتی
زلف میں جتنے بال ہیں اس کے

بوسہ بازی نماز ہے اِس کو
جس سے پاتی ہے جا چمٹتی ہے
ہر مصلّے سے دل لگی اس سے
عید گاہوں میں جا دھمکتی ہے
اونچی ناکیں ہیں یہ رگڑواتی
اُتنے آشفتہ حال ہیں اس کے

کس قدر ہے مقام عبرت کا
دھوم ہے فسق اور بطالت کی
تھی تراویح کی جہاں تسبیح
فاقہ مست اب ہیں وقفِ بدمستی
دل جلاتے ہیں زاہدوں کے کباب
چار قل کا پڑا جہاں غُل تھا
جس جگہ تھی نماز وقف درود
لطف تھا جس جگہ تلاوت کا
تھا مصلّے جہاں بچھا حافظ
کیا زمانے کی ہے یہ نیرنگی
دین کی کون یاں جزا ب لے

ذکر تھا جس جگہ عبادت کا
رہ گئی آڑ ہے عبادت کی
چل رہی ہے وہاں مئے تفضیح
بہہ گئی مے سے زُہد کی بستی
خوں بہاتی ہے عابدوں کی شراب
واں ہے مینا سے شور قلقل کا
رند ہیں واں نشے میں سر بسجود
نغمہ ہے واں ترانہ دھرپت کا
ہیں وہاں رنڈیاں خدا حافظ
آ گئی کس جگہ ہیں سارنگی
کمرِ شیخ سے بندھے طبلے

واہ حضرت یہ کیا کیا تم نے
ایسی عبرت انھیں مبارک ہو

ہنستے ہنستے رلا دیا تم نے
جن کی جاں لقمۂ تبارک ہو

ہم تو حافظ نہ کوئی مُلّا ہیں
دل سے مغموم ہو نہیں سکتے
کہیں آفت نہ کوئی آ جائے
عیش ہی گر کلی ہو دل کی کھلی
ہیں یہی عیش و وصلِ یار کے دن
مت ڈرا گل کو خار نوکوں سے
گل مہکتے ہیں گر مہکنے دے
شہر کی فکر سے نہ ہو لاغر
شاخِ گل گر کوئی لچکتی ہو
گل چٹکتا ہو گر چٹکنے دے
کھینچے کیوں خزاں کا ہو فوٹو

اچھّے خاصے جوان رعنا ہیں
چاہیں رونا تو رو نہیں سکتے
ہنسنے دو جب تلک ہنسا جائے
واقعی زندگی ہو زندہ دلی
گل کھلیں کیوں نہ۔ ہیں بہار کے دن
جھومنے دے ہوا کے جھونکوں سے
بلبلوں کو ذرا چہکنے دے
گر چھلکتے ہیں پھول کے ساغر
تیری پگڑی نہیں اُچھلتی ہو
نہیں لیتی وہ کچھ لچکنے دے
آو لذّت بہار کی لوٹو

ایک دو جام پی شراب ضرور
قال شہباز ربّنا لغفور

پروفیسر شہباز کے بازیچہ انگیز خیالات

کھیل ہی یہ عجب دھڑتے کا — کام ہی اس میں بانہ بلّے کا
جب لگے ایک ہاتھ بلّے کا — شور ہو صلّے اور جلّے کا

عیش تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

گیند گھر ڈھا کے رکھ دے چھلّے کا — بلّا زُلفل ہی اچھّے پلّے کا

کھیل گویا ہے وقت سے بلّے کا ڈھیر ہوگا سر اور کلّے کا

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہے کھیل گیند بلّے کا

کھیل پھبلا ہے گیند بلّے کا کام یاں کیا بھلا مصلّے کا
شیخ سے پوچھو بھاؤ غلّے کا ہے یہ اک مسخرہ محلّے کا

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہے کھیل گیند بلّے کا

اس کی ہے سب دلوں میں دھاک پڑی دہشت اس کی ہے بازوں میں بڑی
جب کہ اس نے مٹس کی دھول جڑی بھاگی سر کو بچا کے گیند تڑی

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہے کھیل گیند بلّے کا

گیند زوری سے آتے جاتے ہیں برق کی پھرتیاں دکھاتے ہیں
ضرب پہ ضرب سر پہ کھاتے ہیں اس پہ بھی منہ نہیں پھراتے ہیں

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہے کھیل گیند بلّے کا

کبھی رکتے کبھی جھجکتے ہیں کبھی دبتے کبھی چمکتے ہیں
دوڑتے ہیں کبھی اُچکتے ہیں ناچتے ہیں کبھی لچکتے ہیں

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہے کھیل گیند بلّے کا

اونچے جا کر یہ نیچے آتے ہیں آگے جا کر یہ پیچھے آتے ہیں
ترچھے جا کر یہ آڑے آتے ہیں سیدھے جا کر یہ اُلٹے آتے ہیں

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

دل ربا ان کی ہیں مناجاتیں — کرتے ہیں آسمان سے باتیں
دل کے لینے کی یاد سب گھاتیں — لطف بیں ہیں یہ وصل کی راتیں

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

رجعتِ قہقری میں طرزِ شہاب — دھوپ کہتی ہی برق چھانو سحاب
شیخ سمجھیں اسے خیال کہ خواب — آسماں سے اتر رہا ہی ثواب

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

چرخ پر جیسے کمان بنی — نہ زباں پر۔ خدا کی شان بنی
بان کی ساری آن بان بنی — جان پر۔ جانتی ہی جان بنی

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

پوچھو گیندوں کی تم نہ مجھ سے صفات — دل لُبھانا ہی ان کو ادنے بات
جس طرف رُخ کریں یہ مثلِ نبات — لیتے ہیں لوگ ان کو ہاتھوں ہات

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

کیا ہیں یہ موتی چور کے لڈّو — جن پہ ہیں اس مزے سے سب لٹّو
گو کرے کوئی مار کر الّو — لوٹ کر ہاتھ سے نہ چھوڑیں کبھو

عیشِ تہذیب کے محلّے کا

خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

جسکو ہاتھ آئے یہ اُچھل وہ پڑا — جیسے ہاتھ آیا کوئی ملک بڑا
کوئی تعریف کر رہا ہی پڑا — کوئی شاباش دے رہا ہی کھڑا

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

پہلے خود کو ذرا سنبھال لیا — گیند کا بعد ازاں خیال کیا
اُچھلے جب گیند نے نہال کیا — گیند کو بھی ذرا اُچھال دیا

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

گیند کب ایک جا کہیں پر ہیں — آسماں پر کبھی زمیں پر ہیں
گہ یسار اور گہے یمیں پر ہیں — کبھی سر پر کبھی جبیں پر ہیں

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

بیقراری میں سر بسر سیماب — برق کی طرح ہر جگہ بے تاب
گر زمیں پر ہی ہر زمیں وہ شتاب — ہاتھ میں بھی ہی گر تو پا برکاب

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

دیکھ اس خوش جبین کی گردش — گردِ چشمِ حسین کی گردش
اس میں ہی دوربین کی گردش — ثابت اس سے زمین کی گردش

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

دَور میں اس کے علم و فن کا حصار　　اس کے مرکز پہ ہندسے کا مدار
فوس سے اس کے صید شوق شکار　　قطر کے اس کے تشنہ لب افطار

عیش تہذیب کے محلے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

جب تلک ہوں نہ پورے چودہ روز　　ماہ کا گیند ہو نہ مہر افروز
کیوں نہ ہو دل میں ماہتاب کے سوز　　چودھویں شب ہی گیند کو ہر روز

عیش تہذیب کے محلے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

خربزے کو ادب بٹھائے پرے　　شرم سے سیب بھی نہ بات کرے
پیڑ ان کے رہیں الٰہی ہرے　　باغ صحت کے ہیں یہ سنگترے

عیش تہذیب کے محلے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

بلّے کے چلّے سے یہ جو چھٹتے ہیں　　تیر کی طرح جا کے مڑتے ہیں
برق کی شہپروں سے اڑتے ہیں　　دی ٹپکتی ہی جب پچھڑتے ہیں

عیش تہذیب کے محلے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

بلے رکھتے ہیں ایسے ڈنڈے بلّے　　جن سے دبتے ہیں تیکھے اور چھلّے
جس گھڑی ان کے ہو گئے بلّے　　ڈھیر ہی ڈھیر ہیں سرا و سکلّے

عیش تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

ان کے قبضہ میں دل نشینی ہی　　گو نہ ہو آنکھ دور بینی ہی

ہر طرح صحت آفریں ہے ان کی لکڑی میں چوب چینی ہے

عیشِ تہذیب کے محلے کا
خوب ہے کھیل گیند بلے کا

دور سے جب دکھاتے ہیں جھلکی جھلک ان کی ہے صاف بوتل کی
بوند کب یہ پسینے کی ڈھلکی نہ ہو صحت کے جام سے چھلکی

عیشِ تہذیب کے محلے کا
خوب ہے کھیل گیند بلے کا

جھک کے کہتی ہے حور کی گردن نور کا تن ہے نور کی گردن
نہ جھکی گر بلور کی گردن مارے بلوں کے چور کی گردن

عیشِ تہذیب کے محلے کا
خوب ہے کھیل گیند بلے کا

وارنش کا عجیب روغن ہے جس سے لکڑی بھی شمع روشن ہے
پھیلتا اس سے نور چھن چھن ہے روشنی تن ہے نور گردن ہے

عیشِ تہذیب کے محلے کا
خوب ہے کھیل گیند بلے کا

کچھ عجب داؤ گھات کرتے ہیں دن حریفوں کے رات کرتے ہیں
جب کہ گیندوں سے بات کرتے ہیں یہ طپنچوں کو مات کرتے ہیں

عیشِ تہذیب کے محلے کا
خوب ہے کھیل گیند بلے کا

وار چلتے ہیں ان کے جب ٹن ٹن دم نکلتے ہیں یاروں کے سن سن
ٹھوالتے رن ہیں کھیلتے جب زن زن کام سارے بگڑتے ہیں بن بن

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

ظلم ہیں بولی ٹھولیاں ان کی — موت ہی ہیں ٹھٹھولیاں ان کی
رعد کڑکا ہیں بولیاں ان کی — برق تڑپا ئیں گولیاں ان کی

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

کام کے اپنے ہیں بڑے پکّے — بیٹھتے یہ نہیں کبھی تھک کے
دیکھے گیندوں کو سو طرح دھکّے — ہیں چھڑاتے حریفوں کے چھکّے

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

بلّے جرأت کو گر نہ دیتے راہ — حال ہوتا بہت وکٹ کا تباہ
تھا جو بلّوں کے حال سے آگاہ — آڑ میں ان کے لی وکٹ نے پناہ

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

اس سے صحّت کو وجہِ نازش و ناز — زندگی کو پیامِ عمر دراز
شوق کے اس میں بند راز و نیاز — یہی کرکٹ ہی حضرتِ شہباز

عیشِ تہذیب کے محلّے کا
خوب ہی کھیل گیند بلّے کا

پروفیسر شہباز کے فکر و خیالات

آبِ رواں

(۱) سرچشمہ

الہ آباد میں خوبی سے آباد
(خدا رکھے ہمیشہ خرّم و شاد)

ہیں میر اکبر حسین اک دوست میرے
وہ جن کی نظم نے موتی بکھیرے

طبیعت میں بلا کی ہے روانی
غضب جاری ہے اس چشمے کا پانی

رواں ہر چند ہوں یورپ میں نہریں
دکھائیں ہند کی یہ اُن میں لہریں

فرنگی بحر گو آئینے لائیں
یہ ہندی شوخ کے جلوے دکھائیں

سمجھ لو سحر ہے کیسا بیاں میں
لڈور آیا چلا ہندوستاں میں

ہوئے سودی کے انگلش زالبوں سے
فصاحت آشنا اُردو کے سب لہجے

کہاں ہیں چشمۂ سودی میں موجیں
یہ اُردوئے معلّٰی کی ہیں فوجیں

لیے ہاتھوں میں تیغِ موجِ صافی
جمائے ہیں پرے مصدر رقوافی

مسلسل نظم میں نے جب یہ دیکھی
اُٹھیں موجیں طبیعت میں خوشی کی

اُمنگوں پر بڑھیں دل میں اُمنگیں
ترنگوں پر ہوئیں پیدا ترنگیں

قلمداں پر سخن کا ہاتھ لپکا
قلم سے بوندیں بن کر شعر ٹپکا

کہاں ہیں تشنہ کامِ معانی
پیئیں حاضر ہے آبِ زندگانی

(٢) بہاؤ

اُڑا طرز خرام البیلیوں سے
کھلاتا، کھیلتا، ہنستا، ہنساتا،
مٹکتا، جھومتا، تنتا، اکڑتا،
جھلکتا، جھلملاتا، جگمگاتا،
دکھاتا زور، غل کرتا، کڑکتا
لپکتا، دوڑتا، پھرتی دکھاتا
اُچکتا، پھاندتا، گرتا، لڑھکتا،
مچلتا، پاؤں پھیلاتا، بلکتا،
لرزتا، تھرتھراتا، تلملاتا،
سمٹتا، پھیلتا، مڑتا، مڑاتا،
کترتا، چھانٹتا، پرزے اُڑاتا،
الف ہوتا، پڑا کاوے لگاتا،
کبھی گھوڑ دوڑ میں کف منہ پہ لاتا
گریباں چاک کرتا، سر پٹکتا،
اُٹھا کر سونڈ فوّارہ اُڑاتا
تڑپتا، لوٹتا، چڑھتا، اُترتا،
کھسکتا، بھاگتا، رُکتا، ٹھہرتا،
لپٹتا، چھیڑتا، چھوتا، چھلاتا،
کبھی ڈنڑ پیلتا، جوڑی ہلاتا،

چلا آب رواں اٹھکھیلیوں سے
تھرکتا، ناچتا، گاتا، بجاتا،
گرجتا، گونجتا، بنتا، بگڑتا،
پھسلتا، لڑکھڑاتا، ڈگمگاتا،
مچاتا شور، ڈانٹ اُٹھتا، جھڑکتا،
اُچھلتا، کودتا، چکّر لگاتا،
جھجکتا، روٹھتا، بھڑتا، بھڑکتا،
سہمتا، کانپتا، روتا، سسکتا
بلکتا، بلبلاتا، گڑگڑاتا،
اُبھرتا، ڈوبتا، اُڑتا، اُڑاتا،
کچلتا، کوٹتا، چھکّے چھڑاتا،
دولتّی چھانٹتا، پشتک اُڑاتا،
کبھی فوجوں میں گھس کر ہنہناتا
رگڑتا ایڑیاں، دامن جھٹکتا،
دھوئیں کے زور سے پارہ اُڑاتا
جھپٹتا، باؤلا ہوتا، بپھرتا،
جھٹکتا، جھاڑتا، بنتا، سنورتا،
چھڑکتا، چھینٹتا، دھوتا، دھلاتا،
کبھی خم ٹھونکتا تیوری چڑھاتا

پہاڑوں کا کہیں دامن دباتا
درختوں کی کہیں شاخیں چباتا

صدف میں گوہرِ نایاب بھرتا
گہر کی شیشیوں میں آب بھرتا

مشبّک جھالوں کا پھندا بناتا
مسلسل موج کا نقشہ جماتا

زمرّد پر کہیں پارہ بچھاتا
کہیں پارے کو فیروزہ اُڑھاتا

ستاری چھیڑتا، ارگن بجاتا
ادھر حوریں اُدھر پریاں نچاتا

اُلجھتا خار سے، گل سے اٹکتا
پچکنا، پھولنا، دبنا، سٹکنا

کٹر بجرے کو مرغابی بناتا
بشر کو مردمِ آبی بناتا

مکلّف میز پر چادر بچھاتا
معلّق شہر کو دعوت کھلاتا

شگوفہ چھوڑتا، غصّہ چڑھاتا،
عداوت ڈالتا، مینڈھے لڑاتا

کبھی کھیتوں میں شاخِ زر لگاتا
کبھی منڈی میں زر کو پر لگاتا

جھلاتا، جھولتا، پینگیں بڑھاتا،
کڑکتا، چیختا، تانیں لگاتا

بہک پڑتا، سنکتا، سنسناتا،
اُچک پڑتا، لپکتا، وندناتا،

بڑھاتا ہر طرف موجوں پہ موجیں
چڑھاتا چار سو فوجوں پہ فوجیں

کبھی سیماب سے چاندی بناتا
کبھی چاندی پہ لے سونا چڑھاتا

پنہاتا شمس کو زرتار سائے
بناتا چاند سے چاندی کے پائے

کھلاتا روز و شب سورج کو غوطے
اُڑاتا عقل کے ہاتھوں کے طوطے

زمیں کی گود میں گرداب بھرتا
بھنور کی ناند میں سیماب بھرتا

بناتا مورچے، توپیں چڑھاتا
سجاتا پلٹنیں، فوجیں بڑھاتا

نکلتا سیپیاں، موتی اُگلتا
جماتا قفلیاں سانچے میں ڈھلتا

گراتا، پھینکتا، چھپتا، اُٹھاتا
چمٹتا، چوستا، پلنا، سماتا،

کبھی اوجوں پہ پھیلاتا تباہی
کبھی موجوں پہ جھمکاتا سیاہی

کبھی بچکاریوں کا ڈالتا ڈھنگ	زباں بنکر کسی جا چاٹتا سنگ
کبھی پتھر سے ٹکراتا ہوا سر	کبھی ذرّوں پہ چمکاتا ہوا زر
نگینے سنگ ریزوں کے بناتا	طلسمی سرمہ آنکھوں میں لگاتا

(۳) سمندر اور اُس سے ہم آغوشی

غرض آبِ رواں یوں جہد کرتا	ہر اک کوشش سے سو سو عہد کرتا
ہزاروں تازہ دم چشموں سے ملتا	کروڑوں پیارے ہم چشموں سے ملتا
جلو میں ندّیوں نالوں کو لیتا	کروڑوں کشتیاں الفت کی کھینا

سمندر

بڑی ہی اک عظیم الشان شی سے	پڑے جس میں کروڑوں ابن طی سے
ہزاروں جس میں مخفی گنج شاہی	کروڑوں جس میں اسرار الٰہی
زیادہ جس کی گہرائی خرد سے	عیاں جس کی اُنچائی شدّ و مدسے
خیالوں سے بڑا پھیلاؤ جس کا	سمیٹے خوبیاں سمٹاؤ جس کا
نگاہیں جس کا پایاں پا نہ سکتیں	حدیں جس کا سرا بتلا نہ سکتیں
فلک جس کے قدم لینے کو جھکتا	زمانہ جس پہ دم لینے کو رکتا
زمانے سے ہوا خواہ ابر جس کا	ہوا اک عاشقِ بے صبر جس کا
ستارے جس پہ شیدا ماہ مفتوں	بلا گردان جس کا مہر گردوں
گھٹا جھکی ہوئی جس کی بدولت	شفق پھولی ہوئی جس کی بدولت
پہاڑوں کو جہاں روڑوں کا رتبہ	جہاں موروں سے کم گھوڑوں کا رتبہ
جہازوں کو جہاں قطرے نچاتے	چٹانوں کو جہاں ذرّے بچاتے

جہاں ہر بوند بنتی بند ھیا چل
جہاں طوفانِ نوح اک موجِ نوخیز

جہاں ہر موج جنتی سو ہما چل
جہاں خود چشمِ قدرت حیرت آمیز

ہم آغوشی

عبارت مختصر اُٹھ کے سنبھل کے
کنند ہم جنس با ہم جنس پرواز
بنا آبِ رواں اک قلزمِ جوش

مطابق فارسی کی اس مثل کے
کبوتر با کبوتر باز با باز
ہوا آخر سمندر سے ہم آغوش

حسین ساگر

صفت وہ کونسی ہی شیخ حوضِ کوثر میں ؟
اسی سے شہد کی بوتل میں ہی شرابِ شفا
بنائیں اس کو ہم آئینۂ سکندر جب
بکھر کے دوشِ مصفّا پہ لاکھ لہرائیں
نکل رہی ہیں لطافت سے موج کی سطریں
بناتی موجیں ہیں اس کی وہ خوش نماز ہیں
شعاعِ مہر سے موجوں کے جگمگے پہلو
گلا سکے کوئی خوبی سے اس قدر چاندی
کنوئیں میں سنتے تھے سیماب بند رہتا ہی
لگے وہ تیرنے آکر غروب ہوتے ہی
فلک ہی کود پڑا یا کہ لیکے انجم کو

نہیں بوجہِ حسن جو حسین ساگر میں
اسی سے قند کا شربت ہی جامِ شکّر میں
کہ لہری ایسی ہوں آئینۂ سکندر میں
صفائیاں یہ کہاں گیسوئے معنبر میں
بھری ہوئی ہی بلاغت صبا کے مسطر میں
طلب ہی جن کی بہت تشنگی کے لشکر میں
ہیں کوہِ نور جڑے صاف تاجِ قیصر میں
کہاں یہ اتنی سکت اوستادِ زرگر میں
مگر یہاں تو ہی پھیلا ہوا سمندر میں
ستارے جتنے تھے آبادِ قصرِ اخضر میں
بلند بام سے دھم سے کسی سمندر میں

خوشی سے تیرتے پھرتے ہیں رات دن وہ طیور
سنائی دیتے ہیں سرخاب کے حزیں نالے
عجیب وضع سے مرغابیاں ہیں وقفِ ثنا
دو چار ہوتے ہی کھنچ جائے ہو بہو تصویر

طلسم بالِ ملائک ہی جن کے شہپر میں
شبِ فراق لکھی جن کے ہی مقدر میں
ہیں دھوپ چھاؤں لپیٹے گلے میں اور بر میں
کمال اتنا کہاں ہی فٹوگرافر میں

نہیں یہ حوض ہی شہباز شہر کا زیور
بھری ہیں آب کی جا خوبیاں وہ زیور میں

پروفیسر شہباز کے شگفتہ خیالات

ہنسی

ہم دکھاتے ہیں تمھیں آج ہنسی کی شان بن
قدما کہتے تھے دنیا کو کہ ہی دارِ محن
دیکھتے رہتے تھے ہر دم لحد و مرقد کو
سینے کو وقف سمجھتے تھے وہ ماتم کے لیے
آنکھیں رونے کو تھیں تیار نظر پیٹنے کو
لپٹی رہتی تھی ہنسی ہونٹوں پہ منحوسی سے
کبھی ہونٹوں پہ جو بھولے سے ذرا ہوتا تھا
جیسے بیمار کبھی پی کے دوا ہنستا ہو
ناخنِ غم کا دکھاتا تھا انھیں حسن ہر چاند
اُن کا چلّہ نہ فقط چلۂ غم پورا تھا

بخششی جن کو نگینے ہیں خوشی کی کا بن
قد کو گردار سمجھتے تھے تو زلفوں کو رسن
نخل تابوت سمجھتے تھے نہالِ قد کو
دل کو موزوں وہ بتاتے تھے فقط غم کے لیے
تھے تلے ہاتھ سدا سینۂ و سر پیٹنے کو
دانت کھلتے تھے تو کھلتے تھے وہ مایوسی سے
زہر میں غم کے تبسم وہ بجھا ہوتا تھا
لوٹے چھلے پہ کبھی جیسے تو اہنستا ہو
نظر آتا تھا انھیں ماہِ محرم ہر چاند
اُن کے ہر ہفتے میں اک عشرۂ عاشورا تھا

[illegible] سے بھی وہ غم کا اثر لیتے تھے
ان کی نظروں میں نہ تھا چشمہ وہ تھی چشمِ پر آب
[illegible] دنیا میں وہ تھے لیے اشک
[illegible] تھے وہاں بیٹھے تھے جینے سے اٹھا
[illegible] ہیں آفت کی گھٹا چھائی تھی
[illegible] جاتی تھی یاروں کی رحمت پہ نظر
[illegible] آتی تھی ہوا جب کبھی ٹھنڈی ٹھنڈی
[illegible] کو ہر خوش آب سمجھتے یہ نہ تھے
شکر صد شکر کہ اب اگلا زمانا بدلا
تیوری شاذ زمانے کی چڑھی رہتی ہے
شام میں بھی نظر آتے ہیں سحر کے جلوے
رات آتی ہے نظر زلف مسلسل کی طرح
آئے ظلمت بھی تو وہ نور سے لپٹی آئے
بے چراغ اب ہیں اماوس میں نہ گھر راتوں کے
کیونکہ روشن ہے جدھر دیکھو گھٹا بجلی سے
مثل طوفان کے طوفان کا ڈر اب وہ نہیں
[illegible] اسے گو عقل کی خامی سمجھے
[illegible] ابر میں کثرت سے ہیں بہتے موتی
[illegible] دیکھ کے خفت کا اثر نالوں میں
[illegible] گھٹا بنتی ہوئی تخت کی رات
[illegible] نے بچھائے قالین

آنکھیں بھر آتی تھیں وہ دیکھ جدھر لیتے تھے
تھا کوئی چاک گریباں نہ کھلا تھا وہ گلاب
آبشار آنسو بہاتے تھے پڑے بھر بھر مشک
رعد اک نالۂ جانکاہ تھا سینے سے اٹھا
بدلی گھنگھور قیامت کی امنڈ آئی تھی
[illegible] کی طرح جو ہنستی تھی رحمت پہ نظر
[illegible] ہی اڑا دیتی تھی اپنی جھنڈی
برق کو قاقم و سنجاب سمجھتے یہ نہ تھے
باتیں اگلی وہ گئیں ڈھنگ پرانا بدلا
ڈھاک راگ ہیں عشرت کی بڑھی رہتی ہے
[illegible] سحری ہیں ہیں اثر کے جلوے
آسماں تاروں سے ہے شوخ کے آنچل کی طرح
آئے عشق بھی تو وہ حور سے لپٹی آئے
غم نہیں اب ہے ہمیں ابر کی تاریکی سے
حسن کا دن کے بھی سہرا ہے تو سہرا راتوں کے
رعد کے شور سے رعشے کا اثر اب وہ نہیں
ہم تو بجلی کے کڑکنے کو سلامی سمجھے
تار بارش کے ہیں سہروں میں پروتے موتی
قہقہے زور کے اڑنے لگے پرنالوں میں
ندیاں دھوم سے نالوں کی چڑھاتی ہیں برات
بدھیاں پھولوں کی شاخوں نے گلے میں ڈالیں

پھول ہنستے ہیں اگر دشت میں گلزاروں کے
کرتی ہے چھیڑنے کو مور کے بلبل چہ چہ
چھیڑ رکھے ہیں جو قدرت نے ہنسی کے کل ساز

قہقہے کبک کے دامن میں ہیں کہساروں کے
ہنستی ہے قلقل مینا پہ صراحی قہ قہ
آ رہی چار طرف سے ہے ہنسی کی آواز

صبح کی ہنسی

چہرۂ صبح سے ہٹنے کو ہیں شب کی زلفیں
خطِ ابیض نہیں، آتی ہے نکل نور کی مانگ
نکلی وہ مانگ، ہے کھلنے کو سحر کی وہ جبیں
روشنی تاروں کی بھی ماند ہی پڑتی جاتی
شرم قدرت کو تکلف سے ہے آنے والی
ہے صبا منہ سے دوپٹے کو ہٹاتی جاتی
مہر سیمانہ کوئی ماہ جبیں لیٹی ہے
نیم باز آنکھیں ہیں مستی کی دکانیں کھولے
مئے عشرت ہے نگاہوں سے ابلتی جاتی
اب تو چھپتا ہی نہیں کوئی نگارہ آنکھوں میں
پائنتی جب کہ جگانے کو شعاعیں آئیں
کروٹیں صبح قیامت کی بدلتی اٹھی
بوجھ ہلکا سا کسی دوش پہ دیتی اٹھی
منہ دھلانے کو نہ کلثوم نہ مریم دوڑی
جوبن آیا نظر اس حور کا امڈا امڈا
رنگ نے لے کے برش چہرے پہ پوڈر چھڑکا

شکل سمٹ کر ہیں پکڑنے کو طرب کی زلفیں
اے اثرؔ اب تو دعا اپنے لیے حور کی مانگ
کہکشاں اب نہ رہی تیرے قمر کی وہ جبیں
دیکھو افشاں ہے یہ قدرت کی بھی چھڑتی جاتی
سادگی صبح کا جوبن ہے دکھانے والی
ہے جھلک حسن کی کچھ کچھ نظر آتی جاتی
بستر خواب پہ خود صبح مبیں لیٹی ہے
جن کے دامن میں نگاہیں ہیں سنانیں تولے
کروٹیں عیش کی آنکھیں ہیں بدلتی جاتی
کیونکہ چھایا ہے قیامت کا خمار آنکھوں میں
ڈرتی ڈرتی کہ جگا بیٹھیں نہ جگائیں آئیں
آنکھیں ہاتھوں سے اک انداز سے ملتی اٹھی
کچھ عجب شان سے انگڑائیاں لیتی اٹھی
آفتابہ لیے خورشید کا شبنم دوڑی
منہ کا دھونا تھا کہ اک نور کا دریا امڈا
بوٹنے باغوں کے اٹھا شیشے، لونڈر چھڑکا

چہرے کی رنگت سے پوڈر کے چمک اور ہوئی
کیوں خوشی سے نہ پڑے لعل نظر ہونٹوں پر
لبِ خنداں ہی نہیں کچھ گلِ نسریں دونوں
لبِ گلگوں ہی نے کچھ گل نہ دیئے دونوں میں
دیکھیے چہرے کو جس رخ سے بڑا ہنستا ہے
چمکی پیشانی پہ اقبال ضیا بن کے ہنسی
دل سے مُنہ تک ہنسی بن کے تسلّی پھیلی

مُنہ کی گرمی سے پوڈر کی دمک اور ہوئی
آرہا ہے وہ تبسّم کا اثر ہونٹوں پہ
اب تو رخسار بھی ہیں دامنِ گلچیں دونوں
پھول آنکھیں بھی ہیں نرگس کے لیے دونوں ہیں
چہرہ گویا ہے اک پھولوں کا گلدستا ہے
دمکی گالوں پہ خوش آئند حیا بن کے ہنسی
بجلیوں کی ہے گھٹا اوپ تجلّی پھیلی

ہنسی کیوں آتی ہے ؟

یہ تو مانا کہ خوشی دل سے چلی آتی ہے
مُنہ کی ظاہر ہے کلی سے تو ادا ملتی ہے
تابِ رُخ آئینے کا رنگ تو جھمکاتی ہے
جھڑ پڑیں تارے سے جس سر سے، وہ ٹکر کونسی ہے؟
مختلف اسمیں ہیں اقوال تو کیا زحمت ہے
بعض کہتے ہیں کہ مصدر ہے تعجب اس کا
ہے سمجھتا کوئی قدرت کے سبب کا طالب
بے سبب کیوں کہوں ہر اک سبب کافی ہے
لاکھ بھی کیوں نہوں دنیا میں خوشی کے ابواب

مگر اس کا ہے سبب کیا کہ ہنسی آتی ہے؟
ہے ہوا کونسی جس سے یہ کلی کھلتی ہے؟
کونسی صیقل اس آئینے کو چمکاتی ہے؟
بجلیاں جس سے کہ نکلی ہیں وہ رگڑ کونسی ہے؟
اختلاف العلما متفق الرحمت ہے
بعض کہتے ہیں ہے جدّت کو تقرب اس کا
لم خیال غلبہ کی بہ گمان غالب
ہر قرین قول بہ تحقیق سے سب کافی ہے
منحصر ہیں انھیں تینوں میں ہنسی کے ابواب

جدّت

سب سے پہلے ہمیں جدّت میں مزا آتا ہے
وہ مزا ہے یہی جو دل کی غذا لاتا ہے

جانتی گرچہ نہیں روح کا جتنا جدّت
رات دن دودھ اُسے ہی یہ پلاتی رہتی
ٹکٹکی باندھ کے بچّے جو ہیں دیکھا کرتے
آنکھیں پتھرائی ہوئی سی جو ہیں بچّے کھولے
بیندھتی بیٹھ کے ہی ان میں وہ موتی جدّت
انھیں لٹو سے کلی دل کی بکس پڑتی ہی
آنکھیں پتھرائی ہوئی آئینۂ حیرت ہیں
منہ پہ رہتی ہی جو ہر وقت خوشی چھائی ہوئی
ہر نئی چیز سے تازہ انھیں لطف آتا ہی
اُن کے دل کے لیے پیغام خوشی ہی ہر چیز
اُن کی نظروں میں یہ کل چاند ستارے ہیں نئے

مہد دنیا میں ہی پرورش کی انّا جدّت
چوم کر منہ ہی محبّت سے ہنساتی رہتی
ناچ گھر میں ہیں وہ حیرت کا تماشا کرتے
جن میں قدرت کے سمندر نے ہیں موتی رولے
ہی انھیں عقل کی لڑیوں میں پروتی جدّت
اور دُلھن بن کے خوشی چہرے پہ ہنس پڑتی ہی
جن کے جوہر ہیں چھپے لاکھ یہ قدرت ہیں
ہی حقیقت میں وہ جدّت ہی کی پھیلائی ہوئی
پھول بشرے کا مسرت سے کھلا جاتا ہی
کیونکہ دیکھیں وہ جدھر اُن کو نئی ہی ہر چیز
اُن کی آنکھوں میں کُل ایجاد اشارے ہیں نئے

خیالِ غلبہ

قوّتیں بچّے کی جوں جوں ہیں ترقّی کرتی
طاقتیں ظاہر و باطن میں جو آ بھرتی ہیں
پینترے خاص اکھاڑوں میں ہیں جمنے لگتے
تاؤ مونچھوں پہ شجاعت سے ہیں پھرنے لگتے
بجلیاں کڑکے کی کیا کیا ہیں کڑکنے لگتی
فتح سب آ کے قدمبوس بجا لاتی ہی
ہی ظفر مونچھوں کے پرچم جب اُڑانے لگتی
زعفراں زار کھلا دیتا ہی اک خلد نظیر

گود جدّت ہی خیالِ غلبہ کی بھرتی
جدّتیں غیر سے دعویِ انا کرتی ہیں
ہاتھ خم ٹھونک کے کُشتی ہیں پچھوڑنے لگتے
کلّے شیروں کے ہیں دو ہاتھوں سے چیرنے لگتے
چھاتیاں دشت و جبل کی ہیں دھڑکنے لگتی
چوم کر منہ کو خوشی چہرے پہ چھا جاتی ہی
ہی ہنسی داڑھی پہ سونا رنے آنے لگتی
نرگسِ دل میں خیالِ غلبہ کا کشمیر

تعجب

ہی تعجّب بھی خیالِ غلبۂ غیر کا لیک
ہم سے کیا بحث مگر غیر تو غالب آئے
بالکل نا یہ ہی خیالِ غلبہ یہ بھی ضرور
غلبۂ جھٹ ہمیں ہمدرد بنا لیتا ہی
ہی خیالِ غلبہ ہم کو، کوئی غالب ہو
انحطاط آ گئے ہی جب ضعفِ قویٰ پھیلاتا
جب جوانی تھی یہ کہتے تھے رہیں خود غالب
غلبۂ غیر کو ہی اور ہمیں خوش حالی
ضعف کے ساتھ تعجب ہی ترقّی کرتا
ضعف کے ہاتھوں سے ہوتا ہی جب انساں مجہول
پہلواں بن کے اکھاڑے میں کھڑا ہی بوڑھا
اسی پٹھے پہ تفاخر کی خوشی ہی موقوف
ابھرے جب جھیل کے کشتی کی کشاکش پٹھّے
دل کو خوش کرتی ہی شہباز تہر اکپن کی ہنسی

الغرض قیدِ محل چھوڑ و تو ہیں دونوں ایک
دل میں اس طرح تفوق کے مطالب آئے
جس میں بھرتا ہی غرور آ کے مشیخت کے سرور
کھینچ لیتا ہی دل اور ہم کو ہنسا دیتا ہی
ہی خوشی ہم کو ظفر چاہیے کسی جانب ہو
ساغرِ ناز میں دل قرض کی ہی [illegible]
لیک اکنوں کہ زبس ضعفِ قویٰ [illegible]
قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی
دلِ مغلوب کی غالب ہی تشفّی کرتا
طبع پاتی ہی تعجب میں تلافی کے اصول
جس لئے تیار تعجب کا کیا ہی پٹھا
اسی پٹھّے سے تبحر کی ہنسی ہی مالوف
ٹھونکنا پیٹھ لئے ہنس ہنس کے کہ شاباش پٹھّے
ہو بڑھاپے کہ جوانی کہ لڑکپن کی ہنسی

پروفیسر شہباز کے نوطرز عاشقانہ خیالات

قصیدہ

تراث و رخ کے سبب کھینچوں واقعاتِ دل لکھوں	ہی تقاضا عشق کا میں بھی کوی ناول لکھوں

کشتِ وحشت کا ہو اگر منظور دکھلانا سماں
ابروؤں کو تیغ باندھوں چشم کو قاتل لکھوں

عامیانہ طرز سے باتیں لکھوں کچھ صاف صاف
عالمانہ شان سے کچھ مسئلے مشکل لکھوں

عشق کو معقول کر دوں گاہ بحثِ عقل سے
عقل کو گہ عشق کی تاثیر کا قائل لکھوں

شوق کو تسکین بخشیں گر کسی کے رخ کے تل
شوق کو فیوز بتاؤں رخ کو فیوز پل لکھوں

حسن کے عشرتکدے کو گر بتاؤں بمبئی
عاشقی کے غمکدے کو والسٹر ہوٹل لکھوں

شامِ ہجراں میں کھلا کر مینر پر غم کا ڈنر
آہ کی رنگین کوئل سے کہکشاں پر بل لکھوں

لب کو لکھوں مصر اور گالوں کو مصری سرحدیں
زلف کو نیل اور جبیں کو نیل کا ساحل لکھوں

بیٹھ بھانڈوں کے کرے جس دم ظرافت طائفے
شوق سے ہر طائفے کو رونقِ محفل لکھوں

بزم میں آ کر کرے جس دم فصاحت شاعری
درد کو غالب بتاؤں داغ کو بیدل لکھوں

حسن کو مطلوب سمجھوں، شوق کو طالب لکھوں
شرم و غیرت کو رقیبوں کی طرح حائل لکھوں

بحرِ اسود ولیلِ فرقت کو بتاؤں صبح و شام
شام و صبحِ ہجر کو پھر اُس کے دو ساحل لکھوں

روزِ فرقت کو بتاؤں افریقہ کا دشتِ غم
اور اٹل گھڑیوں کو اُس کی مونٹن[1] ہل لکھوں

آنکھ سے دکھلا کے سیلِ اشک کی سو پھریاں
ڈوسی ہر سی کو کہوں، ہر بحر کو کاہل لکھوں

گر لبِ نوشیں سکھیں مے نوشیوں میں اعتدال
خطِ ریحاں میں انہیں نوشیرواں[3] عادل لکھوں

چشم کے اوراق پر لکھوں "ادر کاسا" کی شرح
اور مژہ کے حلقے پر نسخۂ "ناول" لکھوں

صبر کی سِل رکھ کے سینے کو بناؤں ہسپتال
وا کیے ہر پیشنٹ[2] کو پھر مبتلائے سل لکھوں

ہجر کی ذلت سے تنگ آ کر پڑھوں ملٹن کی نظم
وصل کی دولت سے خوش ہو کر نکاتِ ہل لکھوں

وقف کر دوں جائدادِ چشمِ نم سیلاب پر
مائمن کی لوح پر شہبازِ اپنا دل لکھوں

۱؎ مونٹن اور ہل پہاڑ اور پہاڑی ۱۲
۳؎ مشہور مقنن ۱۲
[illegible] ۱۲ ۲؎ بیمار ۱۲

مولانا شہباز کے مہذب عاشقانہ خیالات

مُہذّب عشق

آئی نہیں یہ بات اگرچہ قیاس میں
مجنوں نہیں کہ نجد کی بن باس پہ ہو غش
ہونٹوں میں اک چرٹ ہی دبا بس یہی ہے آہ
ٹکڑوں پہ دل کے اب وہ نہیں صبر بھوک میں
کثرت سے میز پر ہیں وہ ہرے سرخ سرخ توس
مدت ہوئی دن آبلہ پائی کے لد گئے
ہے ترش روئی اب بھی مگر اعتدال سے
بوسوں کا لب ہے منتظر لبوں پہ ہے ٹھنکس ٹھنکس
کہتے ہیں کورٹ شپ جسے ہے امتحانِ عقل
کرتا نہیں ہے فرق یہ اگزامنر کا بورڈ
لیکن یہ ہے نصیب کہ جائے گزٹ میں چھپ
ناکامیاب ہوتے تو ہیں کچھ ضرور اداس
سرپٹ وہ بھاگتے ہیں نئے سبزہ زار کو
ہو جاتے اپنی بازی میں ہیں وہ بھی کامیاب
عاشق کی شان یہ ہے کہ ہوتا ہو دن بہ دن
بائرن و شیلی، رنالڈس سے تازہ کرے دماغ

ہے عشق تو بھی اب تو مہذّب لباس میں
ولیم ہے تو، بسا ہے لونڈر کی باس میں
اب وہ نہیں کہ آگ لگا دے اکاس میں
قطروں پہ خوں کے اب قناعت وہ پیاس میں
اور زرد زردشی ہے بھری کچھ گلاس میں
ویلز، عوب پڑے ہیں ہزاروں نخاس میں
جتنی کہ ترشی ہوتی ہے چٹنی میں ساس میں
گالوں کے شکر اور لبوں کے سپاس میں
خاتونوں کی جماعت مردم شناس میں .
عذرا میں، پٹ میں، نانڈو میں، گورداس میں
نام اور چمکے دوسرے فہرست پاس میں
اُڑ جاتی ہے اُداسی مگر دو گلاس میں
سرسبزی ڈھونڈتے ہیں نئی سبز گھاس میں
رہتے نہیں ہمیشہ پھنسے قیدِ یاس میں
دُبلا جو ہوگا کوئی تو سو میں پچاس میں
کھوئے نہ وقت میر حسن، کالی داس میں

فیشن کے نو پھاڑ کے پھینکے حریر کو
ناحق جنوں میں اپنا گریباں کرے نہ چاک
موقعہ کوئی طلائی جو قسمت سے ہاتھ آئے
تلخی سے اس ادا کی سمیٹے نہ ناک بھوں
توڑے بھی گر وہ آسن دے اسکو توڑ نے
اور یوں ہی بات بات پہ گر آس ٹوٹ جائے
انگشتری مرصع و رومال ریشمی
اے عشق دلفریب بہت ہو گیا [illegible]

لطف اطلس و عنبریہ کا پاسے پلاس میں
سر کھولے، تا فتور نہ آئے حواس میں
عذر اصل مدعا کے نہ ہو التماس میں
لذت وہ لے جو شیخ کو ملتی ہو ناس میں
سیفی کامیابی کی ہو [illegible]
ہو فرق کیا بتاؤ پھر انساں میں [illegible]
لے لے تو لینے دے [illegible]
انسانیت سے آگے [illegible] لباس میں

[illegible]

[illegible]

نصیحتیں ہی [illegible]
[illegible] لطف [illegible]
گلوں کی طرح گلستاں [illegible] شگفتہ ہوتے
[illegible] کھلے پھول ہوتے
[illegible] لطف آنے لگا
[illegible] کے ساتھ
[illegible] دیتے ہیں
[illegible] دیتے ہیں

[illegible]

ہنسی میں ڈال کے ناخوش گوار باتوں کو
گلوں کو گھوروں پہ جب جا ہیں وہ بسا چھوڑیں
جہاں وہ جاتے ہیں قدرت ہی ساتھ ساتھ اُن کے
جہاں سر اُن کا ہے رحمت کا اُس پہ سایہ ہے
نگاہ کرتی ہے طے آسماں کے زینوں کو
وہ دل ہے یا کہ سویدا کی ظلمتوں میں گھرا
زمانے بھر سے بڑی گرچہ زندگی تو ملی
خدا ہی جانے کہاں وہ ہیں منہ چھپائے پڑے
بہار کی ہے گھٹا سر پہ آکے جھوم رہی

لڑانے بیٹھ کے ہیں مصریوں نباتوں کو
توؤں کو چولھوں پہ جب جا ہیں وہ ہنسا چھوڑیں
خدا کے ہاتھ میں گویا ہیں دونو ہاتھ اُن کے
کہ سر نہیں ہے یہ قدرت کا ایک [illegible]
شکست ملتی ہے آنکھوں سے دوربینوں کو
اُبل رہا ہے پڑا آب زندگانی کا؟
مگر نصیب کہاں خضر کو یہ زندہ دلی
یہ ہر جگہ ہیں مگر باغ اک لگائے کھڑے
شگفتگی ہے قدم آکے ان کے چوم رہی

پروفیسر شہباز کے گنگا جمنی خیالات

عزلت منزل

تنہائی کا میں عاشق ہوں
خاموش لبوں سے ناطق ہوں
چڑیوں کے نغمے سنتا ہوں
میں تو سر بے پر دھنتا ہوں
ہنستی ہے میرے ساتھ سحر
پھولوں کو دیکھ کے تازہ و تر

رہتا ہوں عزلت منزل میں
خوشیاں ہوں خموشی کی دل میں
کیا غم ہے اگر ارگن نہ ہوے
گو شاہد دستک زن نہ ہوے
ہنس ہنس کر جی بہلاتا ہوں
غنچوں کی طرح کھل جاتا ہوں

حیرت کی قطرۂ شبنم سے
آئینوں میں اُن قطروں کے
جب پھیلا سایہ پیڑوں کا
کیوں جی میں ہو ناحق فکر غذا
پڑھنے کو کبھی گر دل چاہا
شاگرد ہوں بلبل شیدا کا
ی سے یاں مجھکو کیا مطلب
رکھتا ہوں تر پانی سے لب
سوسن کی طرح زباں رکھکر
جھکتا نہیں مثل صبا گل پر
خط دیکھا جب سے ریحاں کا
شاخوں کو گل کی قلم دیکھا
صحرا ہیں گو نہیں مسجد کی
ہاں تیشہ فاختہ اور قمری
شاہیں ہیں وقت عبادت میں
چڑیوں کی پاک جماعت میں
سننے کو چڑیوں کے نغمے
تحریمہ باندھ اُن کے پیچھے
جب شام کا سرمہ پھرتا ہے
اور ضعف کا نزلہ گرتا ہے
آنکھوں کے رستے لاتی ہے

جب اوسوں پیاس بجھاتا ہوں
قدرت کے جلوے پاتا ہوں
غم بھولے دل سے کا خوں کے
پھل دامن میں ہیں شاخوں کے
گل کے اوراق اُلٹتا ہوں
جو یہ تبلائے رٹتا ہوں
می چاہیے دولت والوں کو
دیتے ہیں داغ جو لالوں کو
پاتا ہوں لطف خموشی میں
کہنے کو کچھ سرگوشی میں
خط لکھنا میں نے چھوڑ دیا
اُس دن سے قلم بھی توڑ دیا
گنبد تو یاں ہیں نہالوں کے
یاں بھیس ہیں اللہ والوں کے
تسبیحیں ہیں تہلیلیں ہیں
تکبیریں ہیں ترتیلیں ہیں
شہباز جب آگے پڑھتا ہوں
فی الاصل نمازیں پڑھتا ہوں
آنکھوں میں آکر نرگس کی
آنکھوں پہ آکر ہر حس کی
چڑیوں کی نیند بسیروں میں

مجھکو بھی جا پہنچاتی ہے
پھولوں میں دل کو راحت سے
ہاتھوں سے صبا کے جھونکوں کے
اس میں جو سہارا پاتی ہیں
چوٹ سے آنکھیں کھل جاتی ہیں

راحت پھولوں کے ڈھیروں میں
جب خوب شگفتہ پاتی ہے
ہنس ہنس کر صبح جگاتی ہے
تھوڑا ابھی بھویں پیشانی سے
پھولوں کی خوش عنوانی ہے

صبحِ پیری

کیا جانے سر کے بال تھے مدت سے کیوں سپید
سپیدیٔ صبح میں ہیں حنا بیں ہیں نور کی
سمجھے جائے عمر کہ زندگی کے کام
کیا دیکھے آنکھ کوئی جو منہ ہی نہیں ہے جب
آنکھوں کی دوربینوں میں بھی اب نہیں وہ زور
چالیسوں کا ان کے پڑے سو گئے ہیں یہ خبر
طاقت کہاں بیاں میں کہ دیکھے گلوں کو طول
وہ دن کہاں کہ بیٹھتے ہوں سیر چوک کی
پاؤں سے کے راہوار اٹھاتے نہیں قدم
جو بگڑے پھر نہ سے ایک مستقیم
ہو کہ فرق میں تھا وہ جو بزرگ

تن کا جھکا وہ ریش پہ اب یہ غضب ہوا
چہرہ سحر کا آن کڑا کو جو شب ہوا
ہوتا تھا جتنا بزم میں عیش و طرب ہوا
دے کا رہی جو قبضے میں شہرِ حلب ہوا
دانتوں کا بھی حصار مرمت طلب ہوا
ان کی بلا سے دہر میں شور و شغب ہوا
مجبوریوں سے وردِ زباں شکرِ رب ہوا
بازارِ عیش گرم جہاں وقتِ شب ہوا
کمری جو پایا بیاک بہ ہو گیا سبب ہوا
معدے میں گرچہ ہضم مسلم مطب ہوا
کیوں کر خیال نا قلہ مستحب ہوا

جب ہاتھ سر پہ تھا شیخ انتقال
گیا تو تھا شیخ العرب ہوا

پروفیسر شہباز کے انڈسٹریل خیالات

ایک پاپوش کی سرگزشت

نئی بات مضموں اچھوتا ہوں میں
سنو میری بپتا کہ جوتا ہوں میں

بھرا موتیوں سے صدف وار گوش
انا النعل انا الکفش انا پاپوش

زمانۂ جاہلیت

نہ تھی جبکہ تہذیب دنیا کے بیچ
ہر اک رہ میں قسمت میں تھی میرے کیچ

میں ہی ہوں کہ جب میں گیا کا پنور
پھنسا مجھکو کیچڑ میں بھاگے سرور

ہزاروں جگہ پہ ہوئی دل لگی
کہ گوبر سے پاؤں میں مہندی لگی

نہ تھا صرف گوبر ہی کا جھینکنا
لگی اس سے بھی بڑھ کے خوشبو حنا

نہ تھا کوئی مجھ سے زیادہ ذلیل
تھی جا میری ذلت یہ میری دلیل

جگہ میری ہر جا تھی صفِ نعال
غرض بزم سے یوں دیا تھا نکال

اُتر کر میں جُمّن سے کرتا تھا بات
بسر ہوتی تھی میری بدھو کے ساتھ

اثر سے نہ خالی تھی صحبت بری
وہ صحبت نہ تھی تھی گلے پہ چھری

ہزاروں ہی سنتا تھا میں گالیاں
کہ شرمائیں جن سے سرا والیاں

زباں پہ ہی تھا عضوِ مخفی دھرا
مُغلّظ سے تھا مُنہ کا دامن بھرا

نہ تھے لفظ گولے وہ تھے توپ کے
حیا کو رہے گارڈ کے توپ کے

دکھانے تھے ذلت کو وہ چیر چیر
سناتے تھے پیچھے سے اُلٹی جھجھیر

پکڑتے تھے کان اپنے سُنکر گُنی
نیا راگ تھا اور نئی راگنی

الگ تال سُر سے تھی جو بھی الاپ — وہ گا گا کے سر اپنا دُھنتے تھے آپ
ہمہ وقت فیور کا تھا بس فیئر — بُرا تھا غرض سارا اسمٹس فیئر
وہ چھینکیں وہ نفرت فزا کھانسیاں — خناقِ گلو علق کی پھانسیاں
وہ بلغم کے لچھے وہ رینٹوں کے ڈھیر — لیا تھا زمیں کو غلاظت نے گھیر
نہ تھیں واں نفاست کی پرچھائیاں — عفونت سے آتی تھیں اُبکائیاں
جو ہوتی کہیں پیٹ میں کوئی شے — تو کرتا ضرور اُن کے منہ پر میں قے
وہ پیتے تھے حقّہ پہ حقّہ نہ تھا — اُڑاتے تھے بُقّا پہ بُقّا نہ تھا
لگاتے تھے جس وقت گانجے کا دم — مہادیو سے پہلے کہتے تھے بم
چلم اپنی اک چیتھڑے میں لپیٹ — لگاتے تھے دم پھر پُھلاتے تھے پیٹ
دُھواں دم بہ دم طرز جاں کاہ سے — نکلتا تھا منہ ناک ہر راہ سے
جہاں ایک دم وہ لگا لیتے تھے — مکاں سارا یکسر سڑا دیتے تھے
غرضِ ایسی صحبت میں رہتا تھا میں — جفائیں کمینوں کی سہتا تھا میں

صحبت کا اثر

بُری صحبتوں کا بُرا تھا اثر — بُرائی میں باقی نہ تھی کچھ کسر
مری بدمعاشی کے تھے راز فاش — زمانے کا تھا میں چھٹا بدمعاش
غضب خوش خرامی سے چلتا تھا میں — قیامت ہی تھی جب نکلتا تھا میں
بلا کی تھی بجلی سدا کوندتی — کہ رہتی تھی تلوے سے میرے لگی
بلا تھا کہ سر سے نہ ٹلتا تھا میں — لڑیں سب خوشی سے اُچھلتا تھا میں
مرے تاؤ پر گرم ہو قیل و قال — جہاں میں ہوں جوتی میں بٹتی تھی دال
ہر اک شخص سے تھی مری نوک جھوک — ہو رستم کا سالا تو دیتا میں ٹوک

جہاں کوئی مجھ سے اکڑ کر چلے | مسل دوں وہیں رکھ کے ایڑی تلے
لیا تھا جو لڑنے کا بیڑا اُٹھا | دبا پان رہتا تھا مُنہ میں سدا
ذرا کوئی مجھ سے جو مُنہ موڑتا | وہیں اُس کے چونا لگا چھوڑتا
بچا کم کوئی میرے آزار سے | قیامت چلے بچ کے دیوار سے
لرزتی تھیں مجھ سے سدا بیگمیں | عیاں جن کی نرگس سے سو شبنمیں
خواصوں کا میری بدولت یہ ناس | لگائیں جہاں پائیں گِن کر پچاس
بجا لاتے تھے رات دن صبح و شام | سر آنکھوں سے تعظیم لونڈی غلام
نہ جاتے کبھی گرمی خاک جھاڑ | تو دیتا اُنھیں بھی اُسی دَم لتاڑ
نہ بھولے ہی چھیڑے نہ روڑھے نچے | نہ بالے ہی مجھ سے نہ بوڑھے سنچے

تہذیب کا زمانہ

مگر اب زمانہ ہی تہذیب کا | وہ رخصت ہوا دَور تعذیب کا
عیاں جس پہ تھے خط و خالِ فتور | اُسی مُنہ پہ شائستگی کا ہی نور
اُورلاک نہ کرنا اُسے زینہار | شرافت مرے لُک سے ہی آشکار
چمک اس طرح کی سیاہی کے سات | ہی ظلمات میں موجِ آبِ حیات
عیاں کر دکھاتا ہوں دن رات کو | دکھاتا ہوں آئینہ ظلمات کو
کوئیں سے جھجکتی نہ ہیں گنگ سے | ہیں آنکھیں مری جھانکتی رنگ سے
ہی جاری سدا کاروبارِ نظر | ہی تشمے کی صورت میں تارِ نظر
نہ برچھی نہ تلوار کی ایسی نوک | جہاں چاہوں گھس جاؤں بے روک ٹوک
ہی ٹھوکر سے ڈر دل میں پیٹھا ہوا | گرا ایڑی کا سکّہ ہی بیٹھا ہوا
رسائی نہ تھی پہلے ٹخنوں تلک | پہنچتا ہوں میں اب تو گھٹنوں تلک

بہت بڑھ گیا ہے مرا رعب داب
مُرصّع ہوں سونے کے مہمیز سے
جو رتبے سے میرے وہ آگاہ ہیں
وہ لیتی ہیں جس دم مرے آ قدم
بڑھاتے ہیں درجے خدا نے مرے
نہیں میرے موچی چمار اب ذلیل
یہی ہوتے ہیں اب سویلین تلک
بظاہر بناتے ہیں گو پائے پوش
کر رکھتے ہیں اکثر کئی منزلیں
کلکٹر یہیں اور کمشنر یہیں
کہیں کوئی خوش وضع مسٹر مس

فضا پھرتی ہے میری تھامے رکاب
سُبک رو ہوں اسپ سبک خیز سے
رکابیں سدا چشم بر راہ ہیں
لگاتی ہیں آنکھوں سے گویا قدم
بڑے اپنو ہیں کار خلقتے مرے
شرافت کی موچی گری ہے دلیل
کماتے ہیں اب ہیں ملین تلک
دُکانوں پہ آؤ تو اُڑ جائیں ہوش
جمیں گاہکوں سے کئی محفلیں
یہیں لاٹ صاحب سکتّر یہیں
کہیں کوئی ذیشاں ڈیوک اور ڈچس

علوم سے تعلّق

بظاہر ہیں گو کفش کے تین حرف
وہ چمڑا کہ بو جس سے آئے سڑی
خرد چپکاری بھولے سُنکر یہ بات
وہ سب جھوٹ سچّی یہی کیمیا
مرے صانعوں میں ہے جرِّ ثقیل
ہے پُر زور بڑا ہی یہ چلتا ہوا
کوئی اس کا پھرتی میں ثانی نہیں

ہوئے مجھ پہ ہیں بیسیوں علم صرف
دباغت میں ہے اس کی حکمت بھری
کہ چمڑا کرے مشک و عنبر کو مات
دیا جس نے چمڑے کا سکّہ چلا
جو دے مُنہ کو جادو کے حکمت سے کیل
کچھ آگے ہی سب سے نکلتا ہوا
حقیقت میں جن ہے کہانی نہیں

ہتھوڑا ہی جس دم یہ تانے ہوے
کترتا ہی جس وقت چمڑے کا تھان
یہ سمجھو کہ بس حکم ہی کی ہی دیر
شباب ٹھپاک خوش وضع مضبوط چست

لہار اس کا لوہا ہی مانے ہوئے
تو موچی کے گویا کترتا ہی کان
لگادے یہ دم بھر میں جوتوں کا ڈھیر
ڈھلے سانچے کے سر سے پا تک درست

عمدہ صحبت اور اُس کا اثر

کمینوں کی صحبت سے پائی نجات
سڑک پر نہ پانی نہ وہ کیچ ہی
خوش آیند ہیں زندگانی کے واک[۱]
جہاں چلتے ہیں تندرستی کے جام
اگر کورٹ شپ میں ہی بوس و کنار
کرے کیوں نہ بلبل غزل خوانیاں
چہلتا ہوں اب میں بھی بلبل کی طرح
تمتع ز ہر گوشہ یافتم

نہیں اب میں سنتا گپیں واہیات
کلب گھر ہی - لکچر ہی اسپیچ ہی
عجب روح پرور ہی ٹیبل پہ ٹاک[۲]
دکھاتا ہی تن کر درستی کلام
تو واں بھی ہی یاقوت گوہر نثار
کہ چاروں طرف ہیں گل افشانیاں
کہ ہی باغ باغ اپنا دل گل کی طرح
ز ہر خرمنے خوشہ یافتم

ٹوپی کی بیقدری

ہر اک [illegible] آتا جاتا ہوں میں
[illegible] اب ہو نہ پائیں کہ صدر

ہر اک شخص سے فیض پاتا ہوں میں
مری اب تو ہی چپے چپے پہ قدر

۱ ٹہلنا - سیر سپاٹا ۱۲ ۲ کھانے کے وقت کی گفتگو ۱۲

نہیں پوچھتا کوئی ٹوپی کی بات
جدھر جاؤ میداں ہی میرے ہات

جدا سر سے ہر ایک انگریز کے
پڑی ہی بچاری تلے میز کے

کرے درد دل اپنا کس سے بیاں
اور کوٹ چھڑیاں ہیں یا چھتریاں

سو چھڑیاں ہیں لکڑی اٹھائے ہوئے
کماں چھتریاں ہیں چڑھائے ہوئے

دماغ اور کوٹ ہی عرش پر
ہی ٹوپی بچاری پڑی فرش پر

مگر میں کہ ہر وقت ہوں دم کے ساتھ
ہوں میں پاس مسٹر کہ میڈم کے پاس

جدا میں نہوں ہو جدا جان سے تن
الا انما النعل جزو البدن

ازدواجی تعلقات

یہ ہی جاہلیت کے وقتوں کی بات
ہوا ایک ام الجہالت کا سات

مری رنج و راحت میں ہمدم بنیں
غرض آکے وہ جوتی بیگم بنیں

ہوا تھا جو بن دیکھے شامت سے عقد
لٹا رنج کے ہاتھوں راحت کا نقد

بظاہر اگرچہ بہت زرق برق
مگر حسن سے دوری غرب و شرق

اگرچہ اسی کی بڑی دھوم تھی
نہ تھی ناک پیچیدہ خرطوم تھی

حیا گو کہیے دیکھو گھونگھٹ ہیں یہ
بگاڑے کہیے منہ کہ منہ پھٹ ہیں یہ

وہ تھی چال ہر ایک رفتار پہ
ہنسے کبک اک قہقہہ مار کر

مگر وہ بھی مجھ سے بہت دور دور
یہ صحبت کہاں تھی کہاں یہ ضرور

کھلے اب تو ہیں منہ پہ عشرت کے گیٹ
ملی ہی جو خاتون اک اپ ٹو ڈیٹ

ہزاروں میں چن کر نکالی ہوئی
ہی جانچی ہوئی دیکھی بھالی ہوئی

سبھی اور سجائی بھی اور تلی
دہن سے سحر زلف شبگوں سے شام
جھجک اور نہ وحشت پرائے کی طرح

کسی اور کسائی کھلی اور ڈلی
بخنتر سے طاؤس آہو خرام
ہر اک بزم میں ساتھ سائے کی طرح

خاتمہ

نغلی نہیں ہے یہ حق گفتگو
انا الستو انا البوط انا الیمپ شو

جبیں یہ مری کیوں نہ ہو عرش سا
شریفوں کا شہباز ہوں خاک پا

پروفیسر شہباز کے سستم ظریفانہ خیالات

"آثار اقبال"

اہلِ اسلام ہیں اب راہ پہ آئے جاتے
اب بھی ہر چند ہیں وہ بستر راحت پہ پڑے
پاؤں کو ہاتھ لگاتے ہی لگاتے نہیں لات
چونکنے جاتے ہیں غفلت سے وہ رفتہ رفتہ
اُٹھ بھی جاتے ہیں اُٹھاتے ہیں سہولت سے اگر
کنگھی کرتے لیتے ہیں کپڑے بھی بدل لیتے ہیں
چاہتا جی ہی اگر تو ہیں ہوا بھی کھاتے
گرچہ چلتے نہیں وہ ساتھ ہر اک رہبر کے

ہیں کچھ آثار سے اقبال کے پائے جاتے
کروٹیں لیتے ہیں گر ہیں وہ جگائے جاتے
ہیں جگانے کو اگر پاؤں دبائے جاتے
اُٹھنے دیتے ہیں جو بیدہ ہیں اُٹھائے جاتے
منہ بھی دھو لیتے ہیں گر منہ ہیں دھلائے جاتے
پیار کے ہاتھوں سے گر وہ ہیں نہائے جاتے
چین سے گر ہیں وہ بگھی میں بٹھائے جاتے
دیکھ لیتے ہیں جو رستے ہیں دکھائے جاتے

گر پڑھائے بھی وہ جاتے ہیں تو پڑھ لیتے ہیں
لکھ بھی لیتے ہیں کبھی گر ہیں لکھائے جاتے

گرچہ کرتے نہیں کوشش عملی پہلو سے
سن تو لیتے ہیں جو کچھ ہیں سنائے جاتے

ہنس تو دیتے ہیں نہ روئیں اثر غیرت سے
گر کبھی قوم کے خاکے ہیں اڑائے جاتے

کبھی سن لیں گے اگر پڑھ کے سنائے گا کوئی
نہ پڑھیں لیکے ہیں اخبار تو آئے جاتے

دستخط چندے کی فہرستوں پہ کر دیتے ہیں
[illegible] بھی دیتے ہیں بہت گر ہیں ستائے جاتے

سوڈا لمنڈ بھی نہیں گو کبھی وہ پی لیتے ہیں
[illegible]ٹلوں میں جو ہیں چپکے سے پلائے جاتے

شوق سے بیف مٹن ہمرہ مسٹر بیکن
کھانے [illegible] ہیں جو ہوٹلوں ہیں کھلائے جاتے

لیڈیوں سے بھی کبھی ہاتھ ملا لیتے ہیں
[illegible] اخلاق سے گر ہیں وہ ملائے جاتے

ڈر سے عصمت کے خسارہ بھی وہ بھر دیتے ہیں
[illegible] گر ہیں وہ نالش کی دکھلائے جاتے

فاتحہ خوانی سے بھی زیادہ نہیں ان کو انکار
[illegible] ہیں اگر دام میں لائے جاتے

بار اٹھا لیتے ہیں اکثر ولد الکلبوں کا
[illegible] کچھ رحم دلائے جاتے

بھیج دیتے ہیں [illegible] کو بھی [illegible] پارٹی میں
[illegible] گر ہیں وہ بلائے جاتے

[illegible] اسپیچ
[illegible] ہیں اگر خط ہیں اڑائے جاتے

لینے جاتے ہیں [illegible] مہذب [illegible]
اب وہ [illegible] نہیں بیاہ رچائے جاتے

چوڑیوں کی عوض آتی ہے کلائی کی گھڑی
[illegible] گن پہنائے جاتے

[illegible] دیتے نہیں [illegible] ڈھولک طبلہ
گیت [illegible] تو ہیں گائے جاتے

عقد کے وقت [illegible] کوئی اسپیچ
[illegible] اب وہ پڑھائے جاتے

پہلے دے کے [illegible] شکر کا شربت
[illegible] رنگ کے شربت ہیں پلائے جاتے

نہ رہے دست نگر کھانے ہیں دسترخواں کے
[illegible] پہ ڈنر [illegible] ہیں کھلائے جاتے

اگلے وقتوں کے وہ رخصت ہوئے چوتھی چالے
[illegible] موں کے [illegible] ہیں دکھائے جاتے

گھر میں آتے نہیں عشقی غزلی گلدستے
[illegible] علمی رسالے ہیں منگائے جاتے

قصے ہر چند پرانے ہوں مگر ہیں نئے
عشق پر پڑے میں ڈراموں کے بیاں ہوتا ہے
مجلس نظم میں ذکر شہدا کے لیے
گود میں بیوہ کے دکھلا کے یتیمی
سلسلے ہیں کہیں تاریخ کے ہونے تیار
شیخ چلّی دو پیارہ سے بھی بگڑ رسالات
دیکھنا مچھّروں کی لکھ کے سوانح عمری
دیکھنا اُن کو بھی جو گھوڑوں کے حالات
قافیوں اور ردیفوں کی اُٹھا کر
لکھی جاتی ہیں مثنی غیر مقفی نظمیں
کھنچا جاتا ہے ہر اک رنگ میں فطرت کا سماں
چھیڑے جاتے ہیں کہیں ٹیکرے ٹیلے کے ساز

طرز دلکش سے ہیں ہر روز دکھائے جاتے
[illegible] اُٹھتے ہیں کبھی پھر ہیں گرائے جاتے
[illegible] سے ہیں ہمکو سُنائے جاتے
[illegible] دونوں کے ہیں جن پہ لڑائے جاتے
[illegible] ہیں کہیں ڈھیر لگائے جاتے
[illegible] ہم کو سُنائے جاتے
[illegible] صاحب ہیں بڑھائے جاتے
[illegible] ملے پنج کو سرپٹ ہیں بھگائے جاتے
[illegible] ہمیں ملٹن کے دکھائے جاتے
[illegible] سے بیہودہ نہیں تک وہ ملائے جاتے
[illegible] قدرت کے ہیں ہر طرح کے دکھائے جاتے
ندی نالے کے کہیں راگ ہیں گائے جاتے

گر خدا چاہے تو شاید کسی دن ہم بھی
دیکھ لینا ہیں اسی [illegible] جاتے

بیسویں صدی کی دوسری سالگرہ

تمدن ترقی کا اقبال ہے
کہیں مختصر سی ہے ٹی پارٹی
کسی جا ہے گہرا ملاقات کا
کہیں رخ پہ سرخی شائستگی

صدی بیسویں دوسرا سال ہے
کسی جا بڑی دھوم سے بال ہے
کہیں خوش نما ڈالسنگ ہال ہے
کہیں منہ پہ تہذیب کا جال ہے

غزالوں کے ہیں سُم کہیں بوٹا ہیں — ہرن کی کہیں پانوں میں چال ہے

یہ بائٹ سے ہے ہُدہُد تاج دار — وہ طاؤس زیبا پر و بال ہے

جدھر دیکھیے ہیں فٹن لینڈو — سیانہ نہ ڈولا نہ سکھپال ہے

کھڑی ہے چمکتی ہوی بائسکل — قیامت کی ہے اُس کی جو چال ہے

سٹیمر میں ہے منفعت کی سٹیم — تجارت کی خوب اُڑ رہی پال ہے

نکلتا ہے نبے سے بھق بھق دھواں — کناروں کی گرد اس جگہ کھال ہے

وہ اژدر سُنا ہو جو شعلہ فشاں — بعینہٖ اُسی کی یہ تمثال ہے

جدھر دیکھو ریلوں کی ہے ریل پیل — ہیں سڑکیں کہ پھیلا ہوا جال ہے

برک مین ادھر رکھ رہے ہیں تڑنگ — تڑک پہ اُدھر چڑھ رہا مال ہے

وہ ریلوں کی گردش وہ انجن کا زور — نہ بھونچال لرزے میں ہے بھونچال ہے

کہیں ہے اگر قحط کا زور شور — کسی جا اگر ملک میں کال ہے

تو ہے ریل کا گارڈ قسام رزق — دِرَم بھی نہیں ہے نہ میکال ہے

ہزاروں ہی ہیں چل رہی گرنیاں[۱] — کروڑوں ہی کا بن رہا مال ہے

کہیں ٹاٹ ہے جوٹ سے بن رہا — کہیں اون سے بُن رہی شال ہے

چڑھائی ہے حکمت نے چرخوں پہ مال — نہ چرخا کہ یاں چرخ کیا مال ہے

ہر اک پُرزہ ہے باپ حلّاج کا — ہر اک کَل یہاں اُمّ غزال ہے

دھواں پھینکتا کب وہ ہے دودکش — چرٹ پی رہا صاحب اقبال ہے

سلیماں کے ہیں کر رہے کام جن — عجائب طلسمات اعمال ہے

تصیّر بھی ہیں سیکڑوں کھل رہے — جہاں قال بھی سر بسر حال ہے

۱؎ گرنی دکن میں مل کو کہتے ہیں یعنی پتلی گھر ۱۲

ہے در پردہ اس میں حقیقت کا رنگ — کوئی سبز پردہ کوئی لال ہے
کوئی تو ہے مارے خوشی کے نہال — کوئی ایکٹر غم سے پامال ہے
تو زندگی کا ہر اک دکھاتا ہے رنگ — کہ دیکھو یہ بالفعل فی الحال ہے
کہیں ہجر کی گفتگو ہے چھڑی — کہیں وصل کی قیل اور قال ہے
کہیں قہقہے ہیں کہیں تالیاں — کہیں رنج اور غم کا جنجال ہے
کہیں سینہ کوبی ہے نوحوں کے ساتھ — کہیں سُر، کہیں سم، کہیں تال ہے
بنا ہے کوئی شاہ۔ اوڑھے ہے شال — گداگر بچھائے ہوئے کھال ہے
کبھی پشت ادبار ہے شال میں — کبھی کھال پر چشم اقبال ہے
ترقی پہ تعلیم ہے دن پہ دن — ہیں دو سو سکول ایک اگر سال[1] ہے
جو ہے مدرسہ ایک کالج پچاس — ترقی پہ تعداد ہر سال ہے
ہے لڑکوں سے اگزیمنیشن کا حال — بھرا ممبروں سے سنٹ ہال ہے
چھپی ہے ان امیدواروں کی لسٹ — گزٹ کی مبارک جنہیں فال ہے
جو گوہا ہیں وہ ہیں چھٹر جی ہزار — نمبر جی ہیں سو، ایک اگر پال ہے
اگر آئیے بمبئی کی طرف — تو سہراب ہے۔ رستم زال ہے
مسلمان رکھتے ہیں عنقا کا حکم — برا ان کا تعلیم میں حال ہے
کسی کو اگر اے۔ بی۔ سی آ گئی — تو اے۔ بی۔ سی۔ بی اے کی سی فال ہے
سمجھ لے وہ معنی واٹر کے آب — تو علامہ بس اک بحر سیال ہے
سکول اور کالج سے اس کی غرض — ٹنس ہے۔ کرکٹ ہے۔ فٹ بال ہے
زبانی ہے جس بزم میں جمع و خرچ — غم و غم سے سینہ غربال ہے

---

[1] دکن میں ہندی مدرسے کو جس کو ہمارے ہاں پاٹ شالا کہتے ہیں سال کہتے ہیں۔

مگر کام کی بات کرتا نہیں — کہ شامت اُسے ذکرِ اعمال ہے
یہ ہے حال اکثر کا۔ پر ان میں بعض — کچھ ایسے بھی ہیں جن کا خوش حال ہے
(لیا جس نے یاں رشک و غیرت سے کام — وہی موجبِ رشکِ امثال ہے)
کوئی ان میں ہے زینتِ ہائی کورٹ — کوئی رونقِ کانسل ہال ہے
کوئی عدل میں ثانیِ ناہمن — کوئی بحث میں ہمسرِ بال ہے
مطابع بھی کثرت سے ہیں ہر جگہ — جہاں سنگ کاتب کا نقال ہے
جہاں بات ہے نرم سیسے کے ہاتھ — تو سرِ بے فصاحت کی ٹکسال ہے
چھپا چھپ ہیں اخبار وہ چھپ رہے — خبر پھیلتی ہے عجب حال ہے
ٹکٹ کے قدم سے روانہ ہوا — پلندے ہیں پر ڈاک کی چال ہے
ہیں میزوں پہ آفس کی پھیلے ہوئے — مضامیں کا پھیلا ہوا جال ہے
کسی صفحے پر تار کی ہے خبر — کہیں اشتہاروں کا جنجال ہے
اڈیٹوریل کا ہے کالم کہیں — کہیں سپیل۔ اسپیچ کا حال ہے
کہیں شہر خبروں کی لوکل ہے روح — رپورٹر کہیں جانِ لُفّال ہے
کہیں ہے شگفتہ ظرافت کا بار — کسی جا لطائف کا پُھلال ہے
پر لکھتے ہیں صرّاف بن کر ریو — جہاں جاری تصنیفی ٹکسال ہے
چلے کس طرح سے بھلا وہ کتاب — لگا جس میں کھوٹا کھرا مال ہے
کتابیں بھی چھپتی ہیں کثرت کے ساتھ — بڑا لائبریریوں کا اقبال ہے
ہیں تصنیفیں کم اور بہت ترجمے — کہ لذت فزا قرض کا مال ہے
اڈیسن کا کوئی تو ہے ترجماں — کوئی شیکسپیر کا لفّال ہے
لعوق ہے بنا خوشہ چیں رنالڈز — جسے خرمنِ علم پامال ہے
کہیں خوانِ بیکن کا لا رہا — پڑا کھینچنا بال کی کھال ہے

کوئی آر کپلنگ کے جنگل میں گھس
شغالانہ مشغول اشغال ہے

غرض یہ تھیٹر میں تصنیف کے
ہر اک شخص یورپ کا نقال ہے

ترقی تمدن کے جلوے یہ ہیں
یہ تہذیب کی شانِ اجلال ہے

مبارک ہو عالم کو شائستگی
کہ شائستگی وجہِ اقبال ہے

مبارک اودھ پنچ کو سالِ نو
کہ اقبال کا یہ نیا سال ہے

خریداروں کو بھی مبارک یہ سال
کہ اس سال کا خوش تر احوال ہے

نئے حوصلے ہیں نئی آرزو
نیا حال ہے اور نیا قال ہے

پرانے تردد نکالے گئے
کھٹیرا ہے کوئی نہ جنجال ہے

اتارے گئے کل پرانے لباس
نئی جیب ورنہ رومال ہے

مکاں ہے نیا اور قلعی نئی
نئے کمرے ہیں اور نئے ہال ہے

نہیں غم اگرچہ پرانی ہے میم
نئی چال ہے اور نئی ڈھال ہے

نیا گون ہے اور بانٹ نیا
نیا منہ پہ زینت فزا جال ہے

پرانا بلا سے ہے دانتوں کا سٹ
نئے روز سے گال تو لال ہے

پرانا ہے گو بوٹ لک ہے نیا
لونڈر نیا، کہنہ رومال ہے

پرانی کو کر دی ہے زینت نئی
سجاوٹ سے بڑھیا جواں سال ہے

کمر تھام کر ناچیے پولکا
کہ ہر میم اب زینتِ بال ہے

پرانی میں بھی ہے نئی کا مزا
سبب اس کا یہ ہے نیا سال ہے

بھرا جھریوں میں ہے ماء الشباب
جوانی بھی ٹپکائے یاں رال ہے

غرض کیا تماشے کو تفصیل سے
اگر حسن حاصل بالاجمال ہے

ہرن بھول جاتے ہیں یاں چوکڑی
کچھ اس طرح کی دلربا چال ہے

غٹرغوں ہے گٹ پٹ کبوتر وہ شوخ
لبِ لعل مرغِ ہما فال ہے

گر ایسے کبوتر سے رنگین ہو
مبارک وہ شہباز چنگال ہو

مناظرہ الماس و زگال
یعنی
ہیرے اور کوئلے کی لڑائی

ہیرے نے کہا اک دن کوئلے سے مخاطب ہو
گر تیغ پہ ہو قبضہ مریخ ہو قبضے میں
میں چھتر ہوں نورانی سما کے لیے حاضر
جو مجھ سے ہوا نزدیک اقبال سے ہی نزدیک
ترشے ہیں مرے پہلو روشن ہیں مرے جوہر
باطن ہی مرا روشن مشرب ہی مرا صافی
اور تو کہ تری ظلمت گر چھائے زمانے میں
اس تیرہ دروںی سے جلتا ہی رہے ہر دم
ہو شعلہ فشاں جس دم بڑھ جائے شرارت میں
جل جل کے جلاتا ہی پاتا ہی جسے خستم
افسردہ ہو تو جس دم افسردہ ہو بے معنی
پس کے ہوا کولا انگشت کے زینے پہ

میں مہر ہوں گر دن ہو ہوں ماہ اگر شب ہو
گر تاج پہ ہو سایہ ہم رتبۂ کوکب ہو
جولان میں جس سا مت اقبال کا اشہب ہو
شاہی کا مقرب ہو جو میرا مقرب ہو
جوہر ہوں یہ انساں کا اس طرح مہذب ہو
لازم ہی کہ یوں صافی ہر شخص کا مشرب ہو
سورج ہو تو چھپ جائے دن ہو تو وہیں شب ہو
تو پھر فلک کی آتش پہ ہر آن معذب ہو
شعلے سے ترے پیدا زہر دمِ عقرب ہو
جب سوخت ہوں کل مطلب حاصل ہر مطلب ہو
افروختہ ہو جس دم افروختہ بے ڈھب ہو
سرگرم حجاب اس جا یوں طرب مودب ہو

مانا کہ ترے جوہر خورشید کے ہیں جو ہر
ظاہر پہ نہ جا میرے آثار سیاہی کے
ترکیب پہ ظاہر کی تعریض نہیں زیبا
چھیدے ہیں خدا جانے کتنے ہی جگر تو نے
کیوں ہر گلتا ہے؟ شعلے کی شرارت سے
جو خود ہو پڑا جلنا تاب اُس کی بھلا کتنی ؟
گو جلنے کو جلتا ہوں۔ پہ اتنی تسلّی ہے
کھیتی میں۔ تجارت میں لیں کام اگر مجھ سے
جب گیس کی صورت میں پُرشور کروں سن سن
تسخیر کی قوت سے ہر دم ہی یاں معانی
ہیں میرے ہی شعلوں سے یہ آتش سیمابی
مطبخ میں اگر میں ہوں سرگرم پکانے میں
ترکیب میں کھانوں کی حل میں جو کروں مشکل
سردی سے اکڑتے ہوں جب شاہ و گدا دونوں
اخبار کے گنجینے آتے ہیں نظر مجھ سے
ہو طبع رسا میری مطبع پہ اگر مائل
کپڑوں کی درستی پر گر قصد کروں ہمّت
ہو ردّی کاغذ پر گر صرف مری کوشش
گھولوں میں سمندر میں گر قند صفائی کا
خوشبو کی بقا سے میں خوش خوش ہوں اگر یہ آب
پھر قرن اگر گزریں کچھ ڈر بھی نہیں مجھ کو

ممکن کہ ترا جلوہ یہ جلوۂ کوکب ہو
ظاہر ہیں سویدا سے دل سے تو مخاطب ہو
خود میرے ہی اجزا سے جب تو مرکب ہو
ہر ایک کنی تیری برچھی کی انی جب ہو
پیدا وہی تجھ میں بھی سمیّتِ عقرب ہو
ہو تاب بھی اُس کی جب خواستہ رب ہو
جلنے سے مرے ساماں راحت کا مرتّب ہو
ہر ملک شائستہ۔ ہر قوم مہذّب ہو
یہ ریل یہ اسٹیمر جو ہو مرا مرکب ہو
اس طرح صفا آگیں مشرب ہو تو مشرب ہو
زہراب کو جو غم کے تریاق مجرّب ہو
احسان دہاں مانے۔ لب زیر ثنا کب ہو
انواعِ لذائذ سے ہر جنس مرکّب ہو
شاہوں کے تقرب کا حاصل مجھے منصب ہو
یہ گنج وہ ہیں جن میں گنجینۂ مطلب ہو
آباد کتابوں سے تہذیب کا مکتب ہو
وہ جنس کروں پیدا جو ہر کو مرتّب ہو
ہر تختہ مُطلّا ہو۔ ہر صفحہ مُذہّب ہو
پھر قند سے ہر قطرہ شیرینی میں اعذب ہو
ہر فصل زمانے کی خوشبو سے مُطیّب ہو
میں تیرا مسبّب ہوں تو میرا مسبّب ہو

شہباز پھڑک اُٹھے روح اسدی سُن کر
گر ہمکل جواہر سے یہ نظم ملقّب ہو

طائر الفردوس

پیاری شکل مبارک سرشت کی چڑیا
نشیمن ان کا ہی خوشبو بھرے جزیروں میں
ہوا کی موج جو خوشبو سمیٹ لاتی ہی
جزائر ان کے ہیں سچ مچ وہ رشکِ باغِ ارم
عجب نہیں ہی کہ کچھ دن زیادہ نہر جیسے
پہاڑ ان کے ہیں پہنے زمرّدیں پوشاک
نصیب ان کو ہی دلچسپ جنگلوں کا سماں
گھنے درخت ہیں اک انجمن جمائے ہوئے
ہی پیڑ یا کہ مصالح کے عطر کا کنٹر
ہر اک درخت کی ہی شاخ شاخ طوبےٰ کی
نہیں طیور ہیں باغوں میں تازہ پھول کھلے
نمودِ مخملِ رنگیں ہی سر سے گردن تک
نظر کے واسطے ہی یہ عجب بہشتی فرش
زمیں کے پیٹ میں ہوں جسقدر بھرے جوہر
حریر کی ہی ملائمت ۔ گلاب کی نرمی
سفیدی چاندی کی ۔ سونے کی اُس میں مندی ہی

ملی ہی ہمکو زمیں پر بہشت کی چڑیا
بھرے ہیں ان کے ہزاروں ہرے جزیروں میں
منعطف وہ ان کے گھروں میں بکھیر جاتی ہی
کہ بحر آن کے لیں گرم جوشیوں سے قدم
جو ان کے شہروں کے دھو دھو کے پانو نہر پیے
کہ جن پہ زہر ہیں کھاتے یہ نیلگوں افلاک
کہ جن پہ پھیل رہا ہی نظر فروز دھواں
ادائیں اپنی ہیں لوگوں کے دل لبھائے ہوئے
درخت کا ہی یہ چنبر کہ طبلۂ عنبر
لگی ہی بھیڑ طیورِ بہشت ماوی کی
کہ جن سے آنکھوں کو گلدستۂ سرور ملے
دکھاتی قوسِ قزح کی جھلک ہی جن کی چمک
نظر دکھاتی ہی جس فرش سے خدا کا عرش
نثار ان کے سر و گردن مرصع پر
طلسم کی ہی تجلّی ۔ حیات کی گرمی
عجیب روپ سے دُم ان کی لاجوردی ہی

جیسے بتاتے ہیں دُم مو بمو ہی بالِ پری
عجب نہیں جو پری بھول جائے بالِ پری

رہیں ذرا ابھی طاؤس دُم دبائے ہوئے
کہ یاں ہیں تارِ شعاعی سمٹ کے آئے ہوئے

ہوا ہیں ان کا پرا چتر ہی سلیماں کا
پری بھی دوڑے اکھاڑا سمجھ پرستاں کا

جو رنگ رنگ طیورِ طلسم پوش اُڑے
تو رنگِ خاص سے قوس قزح کے ہوش اُڑے

چُنی ہی سبز معلّق ہوا پہ قدرت نے
کہ جس میں جاں کی حلاوت بھری ہی لذّت نے

ہی جان شیریں لیے طشتری میں شیرینی
ہزار رنگ کی ہی طشتری ہیں رنگینی

غذا ہیں ان کی ہی نقش و نگار کا جادو
ہی پرورش کو یہ پروردگار کا جادو

نہیں ہی کباب۔ نہ ہو۔ ان کو کیا نہ بسکٹ ہو
شراب اُس کی ہوا تتلیوں کا کٹلٹ ہو

پڑی ہی تلب (?) میں برسات سے ہراس کی طرح
منہ ان کی چڑھے حسینانِ خوش لباس کی طرح

اس ان کے خوف سے پردیسیوں (?) کو ہی یہ امید
کہ دیکھ لیں گے پروں میں تجلّی خورشید

وطن کو چھوڑتے ہیں یہ ہراس کے باعث
سفر یہ کرتے ہیں زرّیں لباس کے باعث

گزارتے ہیں یہ برسات غیر ملکوں میں
ہیں پھرتے دیکھتے دکھلاتے سیر ملکوں میں

سجھائی ان کو ہی آفت میں نور کی بارش
ہی ان سے ملکوں میں بارش میں نور کی بارش

سفر کے وقت یہ جس کو امام کرتے ہیں
اطاعت اُس کی بصد اہتمام کرتے ہیں

امام ان کا کہ جو حکمِ شاہ رکھتا ہی
خیالِ مرحلہ و شاہ راہ رکھتا ہی

ہیں اُنھیں کی دُم پہ عجب زرنگار پھول بنے
کہ جس سے تارِ نظر دامنِ حصول سے بنے

کھلا ہی حسن فزا پھولوں میں وہ زرّیں باغ
کہ دل میں ہی دُم طاؤس کے بھی جس کا داغ

کسی قدر وہ سبھوں سے بلند رہتا ہی
کہ سر بلند سدا ہوشمند رہتا ہی

ہی ان کوے (?) کے وہ اُڑتا ہوا کے رُخ کے خلاف
اُلٹ کے آندھی نے منہ پہ تا پروں کا غلاف

مقابلہ کبھی طوفاں سے راہ میں گر ہو
عروجِ خاص پہ سرگرم اس کا لشکر ہو

ہو رفتہ رفتہ وہ حاصل اُنھیں ہوا پر اوج
نہ چھو سکے کبھی طوفاں فزا ہوا کی موج

یہ پیچھے اُس کے چلے آٹھ پہر جاتے ہیں
ہیں کرتے جاڑوں میں اصلی وطن کو اپنے رجوع
ہیں واقعی وہ جزیرے سے جزائر الفردوس
پروں میں جلوہ قدرت سے ہی ظہورِ خدا

جہاں کہیں وہ ٹھہر جائے۔ ٹھہر جاتے ہیں
کہ جیسے مہر کرے شوق میں دوبارہ طلوع
کہ جن میں بستے ہیں خوش رنگ طائر الفردوس
غلط نہیں۔ انھیں کہتے جو ہیں طیورِ خدا

آئینۂ تہذیب

کچھ کچھ قویٰ سے کام لے۔ بے کار مت بے کار رہ
بے کار رہنا ہی بُرا۔ اس کام سے بیزار رہ
ہر فعل کی اصلاح کر۔ ہر لحظہ خوش کردار رہ
آنکھیں کُھلی رکھ ہر گھڑی۔ سونے میں بھی بیدار رہ
تہذیب کا یہ دَور ہے۔ اس دَور سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ۔ مستی میں بھی ہشیار رہ

تعلیم کی خرّاد پر اس قلبِ نادان کو چڑھا
علمی ہملٹن سے کوئی اخلاق کا زیور گھڑھا
پڑھ کر جو تو فارغ ہوا۔ بچوں کو بھی اپنے پڑھا
شغلِ کتب بینی بھی رکھ اور قابلیّت کو بڑھا
تہذیب کا یہ دَور ہے۔ اس دَور سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ۔ مستی میں بھی ہشیار رہ

مست لے خطاب اس عہد میں اپنے لیے نادان کا
جوہر سے استعداد کے پُر ہی خزینہ جان کا

تعلیم کی گر ہو مدد جوہر یہ ہو اک شان کا
تعلیم ہی حکّاک ہے اس جوہرِ انسان کا

تہذیب کا یہ دَور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ
ہُشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

گر کاوشِ تعلیم ہو جوہر یہ نکلے کان سے
تہذیب کے آہن سے ترشے تو چمکے شان سے
گر آدمی حیوان ہو۔ انسان ہو حیوان سے
انسان ہی پھر کیوں رہے؟ ہو وہ ملک انسان سے

تہذیب کا یہ دَور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں بھی مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

گر کوٹ ہی ڈانٹا تو کیا۔ پتلون ہی پہنا تو کیا؟
طرلوش ہی اوڑھی تو کیا۔ لٹکا ہی گر پھندنا تو کیا؟
عینک لگائی اور نہیں گر دیدۂ بینا تو کیا؟
سب کچھ ہوا اپنا اور نہیں گر علم ہی اپنا تو کیا؟

تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاروں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

رکھئے جو ڈنڈے کو الگ ہوتا ہی اس ڈنڈے سے کیا؟
دعوے کے جھنڈے کو اُٹھا۔ ہوتا ہی اس جھنڈے سے کیا؟
ٹھنڈے میں گر بیٹھا ہے تو۔ ہوتا ہی اس ٹھنڈے سے کیا؟
بے علم کو سنڈا ہوا۔ ہوتا ہی اس سنڈے سے کیا؟

تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

یوں ہو کہ تو تو چپ رہے اور لوگ ہوں رطب اللساں
شیریں ہی توصیف سے ہوں سب کے سب عذب البیاں
علم و فنوں کے ملک میں ہو صاحب نام و نشاں
تحقیق کی سرکار میں حاصل تجھے ہو عزّو شاں
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

شوکت کوٹ اور کوٹ کی کیا؟ گر علم کی شوکت نہیں
ہوتی گدھے کی کھال سے ضیغم کی وہ ہیبت نہیں
ظاہر کی سطوت ہیچ ہے گر باطنی سطوت نہیں
سلطان تھیٹر میں بہت۔ سلطاں کی وہ وقعت نہیں
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

ہے گر سلیپر چار کا۔ یا دس گنی کا بوٹ ہے
بیور کا سر پر ہیٹ ہے۔ یا بر میں بھاری سوٹ ہے
محروم ہے گر علم سے تو ساری شیخی جھوٹ ہے
تو ڈیبنگ کی رجمنٹ کا اک بے تربیت رنگروٹ ہے
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

ہیں دخترِ رز میں مستیاں۔ اس مست کو منہ مت لگا
جتنے ہیں اربابِ نشاط ان کو تو مجلس سے بھگا

ٹھگ لیتے ہیں، یہ نقدِ دل۔ ہے سیکڑوں ہی کو ٹھگا
مست عشق کی غفلت میں پڑ۔ ہشیار ہو دل کو جگا
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ۔ مستی میں بھی ہشیار رہ
پی کر شرابِ بد طعم کیوں عقل یوں کھوتا ہے تو
کیوں اپنے دل کی لوح سے حرفِ خرد دھوتا ہے تو
شاکی جگر کا ہے کبھی۔ آنکھوں کو گہ روتا ہے تو
کانٹے پھر اپنی راہ میں یوں کس لیے بوتا ہے تو؟
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ۔ مستی میں بھی ہشیار رہ
کہتے ہیں سب اس کو شراب۔ اس آبِ شر سے دور رہ
ہو جس بشر کے پاس یہ۔ تو اُس بشر سے دور رہ
شارب ہو گیہ لختِ جگر۔ لختِ جگر سے دور رہ
آنکھوں پہ رکھ لے ٹھیکری۔ نورِ نظر سے دور رہ
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ۔ مستی میں بھی ہشیار رہ
شیشے کے ہر ٹکڑے کو تو زخمِ جگر کا گھر سمجھ
گو مے میں ہو کچھ خیر بھی۔ تو اُس کو یکسر شر سمجھ
امید کا مت نام لے۔ ڈرتا رہ اس کو ڈر سمجھ
گھنٹوں ہی پھر اُلٹی رہے۔ گو تیز ہو دم بھر سمجھ
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو ہشیار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

ہی میم کا سایہ بڑا - رہ اس پڑھے جن سے بچا
جس ناچ پر بھولا ہی تو - اک دن وہ چھوڑے گا نچا
ہندوستانی بیوی لا اور عیش کی دھوم میں مچا
سکھلا سلیقہ اور ہنر اور عمر بھر شادی رچا
تہذیب کا یہ دور ہی - اس ہی سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

اہلِ فرنگ اہلیہ کو کہتے ہیں نصفِ خوبتر
گر علم کی زینت نہیں - تو ہی وہی معیوب تر
تو علم کی ترغیب سے اُن کو بنا مرغوب تر
اخلاق کے زیور پہنا - ہو جائیں جو محبوب تر
تہذیب کا یہ دور ہی - اس ہی سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

تعلیم نسواں پہ اگر ہمت تری بائل رہے
پردہ جہالت کا سدا کیوں اس طرح حائل رہے؟
گرد کدورت علم کی صیقل سے گر زائل رہے
ان عورتوں کے قلب کی ہر میم بھی قائل رہے
تہذیب کا یہ دور ہی - اس ہی سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

جب لطف ہی پھیلا ہوا چو طرفے کے پاس اخبار ہو
جھلتی ہو ترکاری جہاں واں علم کی تکرار ہو

سینا پرونا ہو جہاں واں عقل کا اظہار ہو

ہر جا کتابوں کا لگا خلوت میں اک انبار ہو

تہذیب کا یہ دَور ہی۔ اس مے سے تو سرشار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

عقلِ فرنگ اچھی سہی۔ حسنِ فرنگ اچھّا نہیں

گر شانہ دو نا در یہ بھی ہو عفّت کا ڈھنگ اچھا نہیں

ہیں سب ارنگے اک رنگ میں میموں کا رنگ اچھّا نہیں

ان کے کشادہ خرچ سے ہو حال تنگ اچھّا نہیں

تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس مے سے تو سرشار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

جس وقت دل میں بال کا شوق آن کر لہرائے گا

تو دیکھ کر بیکر کا بِل دل میں بہت گھبرائے گا

سرکار سے گو سیکڑوں تنخواہ میں تو پائے گا

تنخواہ تیری جروؤکل اک گون ہی کھا جائے گا

تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس مے سے تو سرشار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

رہنے کو ان کے چاہیے کوٹھی عجائب شان کی

ہو آسمانِ اوّلیں جس کے زمیں ایوان کی

سامانِ آرائش بھی ہو۔ افراط ہو سامان کی

ہوں خان سامان لاتعد۔ گنتی نہ ہو دربان کی

تہذیب کا یہ دَور ہی۔ اس مے سے تو سرشار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

پینے کو ان کے سامپیں۔ اکسا۔ براںڈی چاہیے
اک وقت الٹم چاہیے۔ اک وقت وہسکی چاہیے
کچھ دن بیر درکار ہو۔ کچھ روز شیری چاہیے
سوڈا اور ونڈا بھی کبھی بہر تسلّی چاہیے
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

بسکٹ کا گر کچھ چاؤ ہو تو ہنٹلی پامر ہی ہو
سرکہ اگر درکار ہو تیاری کالنز ہی ہو
کنٹر اگر مطلوب ہو صنّاعی اسلم ہی ہو
کاغذ قلم کے واسطے ہر شہر میں ٹھیکر ہی ہو
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

روشن مثالِ شمع ہو۔ پھیلا پھر اپنی روشنی
ہو روشنی فانوس سیال۔ کچھ چھن رہی کچھ ہو چھنی
عالم چراغاں کا رہے۔ ہو روشنی یکسر گھنی
ہر انجمن ہو۔ جگمگی۔ برسوں رہے یوں ہی بنی
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

لمپوں میں ریڈنگ لمپ سے ہر شام یاں تو کام رکھ
پھر روشنیِ علم سے روشن تو اپنی شام رکھ

سرطاقِ محنت میں جھکا اور طاق پہ آرام رکھ
گر فیض پائے علم سے تو فیض سب پہ عام رکھ
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

تفریحِ خاطر کو اگر علمی کلب میں جائے تو
بلیرڈ اور شطرنج سے کم اپنا دل بہلائے تو
عمدہ کتابیں علم کی الماریوں سے لائے تو
یا دو گھڑی کی سیر کو اخبار ہی پھیلائے تو
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

لکھا بھی کر، گر علم سے روشن ترے افکار ہیں
تحریر گر مطبوع ہو تو بیسیوں اخبار ہیں
افراط ہفتہ وار ہیں، روزانہ بھی دو چار ہیں
وہ بھی ہیں کچھ چھپتے جو یاں ہر ماہ میں دو چار ہیں
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

دل ہی اگر مدِّ نظر تو رکھ بشر سے رابطہ
آجائے گا پھر ضبط میں وہ دل گدازی ضابطہ
مایوسیوں میں مبتلا کیوں ہوں قلوبِ قانطہ
گر ماسٹری درکار ہے، رکھیں حسن سے واسطہ
تہذیب کا یہ دور ہے اس مے سے تو سرشار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

ہمدرد ہی گر قوم کا تو انجمن میں شور کر
برسا دے مینہ الفاظ کا۔ تقریر اک گھنگھور کر
کمزور کی تائید میں طاقت بھر اپنی زور کر
بیمار کا آزار کھو۔ تدبیر چشم کور کر
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

گر نقص ہیں کچھ قوم میں۔ اصلاح کی تکلیف لے
مشغول ہو تالیف میں اور عمدہ تصنیف لے
ہر بزم میں شاباش سن۔ ہر ذکر میں تعریف لے
تعظیم کا خلعت پہن۔ اعزاز کی تشریف لے
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

زیر حکومت ہو ترے انصاف کا گر محکمہ
پہچان کس پر ظلم ہے۔ کس نے سمیٹا مظلمہ
تحقیق کے کانوں سے سن قانون کا ہر زمزمہ
پھر کر شبانی عدل کی۔ کر شیر سے حفظ رمہ
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

مستعان کھوٹے کو کھرا پولیس کی تنبیہ سے
غافل نہ ہو انصاف سے حکام کی تنبیہ سے

مت چھوڑ راہِ راستی کج بحثیٔ توجیہ سے
کچھ لوث مت رکھ ہو غرض گر نفس کی تفسیر سے

تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

احقاقِ حق میں خلق کے دن رات بذلِ جہد کر
تلخیٔ ظلم و جور کو انصاف سے تو شہد کر
ہو ظلم گر اس عہد میں انصاف کا تو عہد کر
گہوارہ ہو گر جور کا تو معدلت کا مہد کر

تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

ٹلتی نہ ہو جس کی بلا۔ تجھ سے ٹلے تو ٹال دے
پلتا نہ ہو گر کوئی دم۔ تجھ سے پلے تو پال دے
اقبال ہی حق نے دیا تو صدقۂ اقبال دے
کوڑی نہ ہو جس جیب میں تو اس میں پیسا ڈال دے

تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

رکھتا ہے موزوں طبع اگر۔ کر با نتیجہ شاعری
اصلاح جس سے قوم کی ہو باطنی یا ظاہری
سحرِ حلال اس شعر میں دکھلا نہ راہِ ساحری
باطل ہو اس کے روبرو ہو گرچہ سحرِ سامری

تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو ہشیار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

کیا لطف باغِ عشق میں گر شاعری پھولی پھلی
کس کام کی بچ بھی گئی گر کچھ دلوں میں کھلبلی
ان کی سمجھ ہی کیا لگی گر نوجوانوں کو بھلی
وہ بات کر جس سے کھلے اسرار جو دل کی کلی

تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس می سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

رکھ شاعرانہ آنکھ سے ہر جزو عالم پر نظر
ہر نکتۂ دلچسپ کا پھر تول رکھ دل میں اثر
تحقیق کر کس بات میں ہے نفع اور کس میں ضرر
پھر پُر اثر تقریر سے دے اہل عالم کو خبر

تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس می سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

ہر واقعے کی شان پر تیری نظر پڑتی رہے
گردِ جہالت چشم کے دامان سے جھڑتی رہے
باتیں عجائب ہر گھڑی فکر رسا گھڑتی رہے
تفریح کے مضمون پر طبع رسا لڑتی رہے

تہذیب کا یہ دور ہے اس می سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

گر آپ سے گھوڑا اُڑا یہ بھی وہیں جھٹ پٹ مُڑا
ہے پیٹھ پر یہ بھی اگر بھاگا گدھا رسّی تُڑا

دیکھا اگر الّو کہیں۔ الّو ہی سے کچھ لے اُڑا
جانا غنیمت ذہن نے جس وقت جو اُس کو جڑا
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

حاصل ہے قعرِ بحر میں مچھلی کی آسانی اسے
چوٹی پہ گر یہ جا پڑے ہو کچھ نہ حیرانی اسے
بخشے نہ اصلا خیرگی سورج کی تابانی اسے
چمکائے معلومات کی ہر دم فراوانی اسے
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

یہ نوعِ انساں کی کتاب اللہ کی تصنیف ہے
ہر صفحہ اس تصنیف کا شایانِ صد توصیف ہے
پڑھنے میں اس تصنیف کے گو سر بسر تکلیف ہے
دو چار ہی صفحے تو پڑھ یہ بھی بڑی تعریف ہے
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

نکتے ہزاروں طرح کے ہیں سب صفحے میں بھرے
اس نسخے کے ہر صفحے پر لازم ہے غور انساں کرے
مت چڑ کسی انسان سے مت کر کسی کو تو پرے
عاقل وہی ہے جو یہاں ہر مرد سے کچھ لے مرے
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو سرشار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

میلا جہاں ہے جا کے دیکھ - میلے کی ماہیت سمجھ
توفیق کی توجیہ کر - اوقات جمعیت سمجھ
انواعِ مخلوقات کو دیکھ - اسبابِ وحدت سمجھ
ہر ایک کا مقصد پرکھ - ہر ایک کی نیت سمجھ

تہذیب کا یہ دور ہے اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

جو تجھ سے کوئی بد کہے - تو کفش گر سے ربط رکھ
مت جا گدھوں کے شور پر - دھوبی کے گھر سے ربط رکھ
ہو جائے گا کندن یہ دل - زرگر سے ربط رکھ
سقراط کو کر پیشوا - ہر پیشہ ور سے ربط رکھ

تہذیب کا یہ دور ہے اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

گر نفس پر قدرت نہیں کچھ - اوباش کی صحبت بھی رکھ
مُردوں کا گر رکھتا ہے غم - بشاش کی صحبت بھی رکھ
[illegible] ہے - بشاش کی صحبت بھی رکھ
افسردہ کیوں ہے فکر میں - بشاش کی صحبت بھی رکھ

تہذیب کا یہ دور ہے اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

ہر صلح کی تعریف کر - ہر جنگ کا رکھ تجربہ
ہر مرگ کی ماہیت سمجھ - ہر جنگ کا رکھ تجربہ

چمکا تو کیا ہر رنگ میں۔ ہر ڈھنگ کا رکھ تجربہ
ہر ڈھنگ سے آگاہ رہ۔ ہر رنگ کا رکھ تجربہ
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

گر جان صاحب کی غزل یا ریختی رنگیں کی ہے
پھکڑ ہے یا سلطان کا یا ہزل چرکیں وجہ نے
یا ہرزۂ جعفر زٹل۔ کر ان مراحل کو بھی طے
ہے یہ کسی نے سچ کہا یہ علم شیٔ از جہل شیٔ
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

ہے بوئے عیاشی سڑی غزلوں کے منہ سے آرہی
کس منہ سے تو نے یہ غزل اب اس زمانے میں کہی
پھینک آ قصائد مدح کے۔ باقی نہیں عہدِ شہی
رستہ ہدایت کا پکڑ۔ وہ چھوڑ اگلی گمرہی
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

دو سوختنی کو لے آگ میں یوں ہی امانت ڈال دے
تیری بلا سے گر شرر اُس میں خیانت ڈال دے
نوحے مسدّس لکھ کوئی۔ شور فطانت ڈال دے
قالب میں نظمِ پاک کے جانِ متانت ڈال دے
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو ہشیار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

راغب ہو فنِّ نظم میں گر طبع سوے مثنوی
حکمت اثر دیں گے سبق تجھ کو حکیمِ غزنوی
دل ہی احق بالاقتدا ہیں مولوی معنوی
ہو ذہن میں گر اختراع اس طرز کو بھی دے نوی
تہذیب کا یہ دور ہے - اس مے سے تو سرشار رکھ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

قطعہ - مسدّس - مثنوی - خمسہ - رُباعی - یا غزل
جو چیز لکھ اس طرح لکھ - مقبول ہو بین الملل
جاہل میں پیدا علم ہو - عالم میں ہو حسنِ عمل
اخلاق کی اصلاح ہو - ہر طرح ہو رفعِ خلل
تہذیب کا یہ دور ہے - اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

شاعر کے فن کے واسطے حاجت ہے معلومات کی
قدرت ہو تا پیدا اُسے ہر بات کے اثبات کی
سو سو طرح ثابت کرے تقریر ہو جس بات کی
کھینچے خوشی میں دن کی وہ تصویر غم میں رات کی
تہذیب کا یہ دور ہے - اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

احوالِ عالم پر نظر تا حدِّ امکانِ بشر
ابنائے حکمت کی نظر میں ہے کمال منتظر

مخمس

حکمت قریں شاعر مگر ہے وہ جو معلومات پر
کرکے تصرف قلب پر ہے ڈالتا مطلوب اثر
تہذیب کا یہ دور ہے - اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ - مستی میں بھی ہشیار رہ

بس شاعری کی شاخ کو درکار ہے حکمت کی جڑ
حکمت کی چوکھٹ پر پہنچ، دن رات پیشانی رگڑ
زد میں تری تفتیش کی جو علم وحشی ہو پکڑ
ترکیب میں رہ علم کی - جہلِ مرکّب میں نہ پڑ
تہذیب کا یہ دور ہے - اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ - مستی میں بھی ہشیار رہ

علمِ ریاضی کے لیے برسوں ریاضت چاہیے
فنِّ طبیعی میں بہت صرفِ طبیعت چاہیے
برسوں الٰہیات میں دن رات محنت چاہیے
فنِ نظر میں فکر سے ہر لحظہ حجّت چاہیے
تہذیب کا یہ دور ہے - اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ - مستی میں بھی ہشیار رہ

ہیئت میں دل پر نقش ہو احوال جذبِ عام کا
لگ جائے لگّا درس کا کھلتے ہی نسخہ شام کا
بزمِ ثوابت سے عیاں مضمون ہو آرام کا
ظاہر ہو سیّارات سے سر گردشِ ایّام کا
تہذیب کا یہ دور ہے - اس مے سے تو سرشار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

اُٹھ جائیں پردے آنکھ کے ہر شکل کی ہو گر دوربیں
پیشِ نظر افلاک پر ہو جلوہ روئے زمیں
آئے نظر مخلوق پھر ہر سو زمیں پر جا گزیں
عالم ہزاروں کھل پڑیں سبحان رب العالمیں
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

تارے کہ جو ہیں رات کو واقع میں مشعل راہ کی
ہو ان کے دیکھے روشنی افزوں دل آگاہ کی
آئے طلائی حرف میں قدرت نظر اللہ کی
اقلیم ہو مدِ نظر اُس سچے شاہنشاہ کی
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

جس دم اُفق کا دائرہ کھنچ جائے سطحِ آب پر
سرپوش ہو افلاک کا اک تختۂ سیماب پر
ہو تختۂ سیماب پر کھولے ہوئے سُرخاب پر
ہیئت کی صنعت سے راستہ روشن ہو شیخ و شاب پر
تہذیب کا یہ دور ہے اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

ہر دم بہار اس سے چلا۔ ہر راہ میں گلستان ہو
پیشِ نظر کیا اس ہو قبضے میں تا سکّان ہو

منزل نہیں کچھ دور ہے۔ توسن ہو یا سیلان ہو
ہر کان میں اس علم سے منزل شناس انسان ہو
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

مضبوط ہر تمہید ہے مربوط ہر تقریب ہے
سنجیدہ ہر مضمون ہے۔ برجستہ ہر ترکیب ہے
معقول ہر تحریص ہے۔ دلچسپ ہر ترغیب ہے
شہباز نام اس نظم کا آئینۂ تہذیب ہے
تہذیب کا یہ دور ہے اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ

نظامی پریس کی ایک آنہ لائبریری

(مینیجر نظامی پریس بدایوں سے منگائیے)

(نوٹ) مندرجہ ذیل آٹھ کتب جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک آنہ ہے اگر ایک ساتھ منگائی جاویں تو بجائے ۱۰/ کے صرف ۸/ کا وی پی مع محصول وغیرہ بھیجا جائیگا۔

۱- **نبی جی کی خوشی** (زنانہ مولود شریف) لڑکیوں کے لیے۔

۲- **بچوں کا حساب** - زبانی حساب کے گُر - اردو ہندسے اور پہاڑے۔

۳- **ایک نادان خدا پرست اور دانا دنیادار کی کہانی** - مصنفہ سر سیّد مرحوم

۴- **انشاء اللہ** - ایک پُر لطف مکالمہ مصنفہ سر سیّد مرحوم

۵- **راکھ بیگم** بچوں کے پڑھنے کے قابل نہایت آسان نظم۔

۶- **بدمزاج شوہر** - بچوں بیاہوں کے لیے نہایت آسان اور عام فہم نثر کا قصّہ۔

۷- **مرزا پھویا** - علی گڑھ کالج کے متعلق ایک پُر لطف نظم مصنفہ مسٹر سجّاد حیدر بی اے

۸- **مرثیہ مرزا غالب** - مصنفہ مولانا حالی مرحوم۔

مجموعۂ بے نظیر

جناب شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب مترجم قرآن کی تمام اُردو اور عربی نظموں کا بیش بہا مجموعہ چھپ کر تیار ہے۔ مولف نے دیباچے میں سبب تالیف اور مولانا ممدوح کی شاعری اور اُن کے خیالات شاعری پر بحث کی ہے۔ ہر نظم کی ابتدا میں نظم کی شانِ نزول بھی لکھی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نظم کس زمانے میں لکھی گئی کیوں لکھی گئی اور کس مجلس میں پڑھی گئی۔ اس مجموعے میں چند عربی قصائد و تاریخیں بھی مع اُردو ترجمہ ہیں۔ چند نظمیں اور بھی ہیں۔ قصائد عربی سر ولیم میور سابق لفٹنٹ گورنر وغیرہ کی شان میں لکھے گئے ہیں۔ غرض مجموعہ نظم بے نظیر قابل دید ہے۔ کیونکہ یہ بات مسلم ہے کہ مولانا کی نظموں میں نصائح کے جواہر بے بہا کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں۔ زبان کی صفائی اور شستگی آب حیات کو مات کرتی ہے خیالات کی رو سے یہ مجموعہ سرپر رکھنے کے قابل ہے قیمت علاوہ محصول ڈاک ایک روپیہ

وکیل نسواں

یعنی

جواز تعلیم نسواں کے عقلی و نقلی دلائل اور علمی اور دل نشین تدابیر مصنفۂ مولوی سید افتخار عالم صاحب جس کو سلیکٹ کمیٹی تعلیم نسواں متعلقہ محمڈن اینگلو اورنٹیل ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ کلکتہ نے دسمبر ۱۸۹۹ء میں اول نمبر پر بانعام دس اشرفی انتخاب کیا۔ قیمت فی جلد علاوہ محصول ڈاک آٹھ آنے ۸/

المشتہر

سید محمود عالم۔ محلہ پیرزادگان قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ
ممالک متحدہ آگرہ

خیالات آزاد | جو اودھ پنچ کے مشہور اور مقبول نامہ نگار عالی جناب نواب سید محمد خان بہادر
آئی۔ ایس۔ او (جن کا فرضی نام ۳۵ برس سے اُردو اخبارات میں مولٰنا آزاد رہا ہی) کے پُرزور
قلم ظرافت رقم کا نتیجہ ہی اور اپنی عام شہرت اور خاص دلچسپی سے اُردو کے عالم انشا میں اپنا
آپ ہی نظیر ہی بار دیگر نہایت آب و تاب سے چھپ کر سرمہ کش دیدۂ اولی الابصار ہی۔
ذیل کے پتہ سے وی۔ پی۔ پارسل طلب فرمائیے۔ قیمت ایک ؏ روپیہ

کتب زیر طبع | (۱) خیالات آزاد کا دوسرا حصّہ متضمن مضامین متین و اخلاق آگین۔

تفصیل مضامین یہ ہی:۔

ع۔ مرغی بیمار و مرغی بحضور۔ (سفارش) مسلمانوں کا افلاس۔ پرستار پرستی۔ بنگالے میں شادی۔
سبب مقدمہ بازی و خانہ بربادی۔ ولایت کا سفر اور مسلمان طالب علم۔ ولایت جانے کا مالیخولیا۔
میاں کچھنر ع۔ اسے زدونج دیکھ کر خنزر زکو نہ منھ لگا۔ (مذمت شراب خواری) ع۔ پیری میں
جوانی کے مزے یاد کریں گے۔ (بڑھاپے میں شادی) عشرت ہی۔ آفت ہی مصیبت ہی
قیامت ہی (بیویوں کی مظلومیت) صوبہ بہار اور رشوت۔ بہار کے مسلمانوں میں نکاح ثانی۔
ہر کسے جنس است اعتقاد من بس است۔ (صریح الاعتقادی) حکام رس اور نام ورنبنے کا
شوق۔ ہرکارے دہر مردے۔ فاجرہ عورتوں کی محبت اور اُس کے نتائج۔ کلکتے میں مسلمانوں
کے ہوٹل کی ضرورت۔ جیسا دیس ویسا بھیس۔ جان بھی نثار عیش ہی۔ ایک مسلمان انگریزی دان
طالب علم کے زمانۂ تحصیل کے حالات و خیالات یعنی میاں جی بھی غضب کے ہوتے ہیں میراثن عالی خاندانی صفت راجہ بابو
گفت۔ تو نے کیسی ہوکر کیا پایا۔ لعنۃ اللہ علی داخل النسب وعلی خارج النسب۔ لباس انگریزی کے فوائد۔ دعوت ہی
یا عداوت ہی۔ پان بھی بے اعتدالی سے آفت جان ہی۔ حقہ حاضر ہی۔ دل لگی۔ سلام
(۲) نوابی کھیل۔ کلکتے کے ہر حلقے کے چلتے پرزوں کی خوش فعلیوں کا ایک موثر اور دلکش تصویر بہ پیرایۂ
ظرافت۔

یہ دونوں کتابیں بھی صاحب خیالات آزاد کے قلم آزاد رقم سے ہیں۔

سید اختر حسن۔ نمبر ۶۲ تا لتلا لین کلکتہ